شب ہجر کی پہلی بارش

نازیہ کنول نازی

قسط نمبر 5

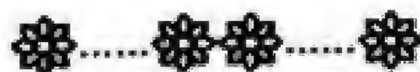
عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ عید الاضحیٰ

حکم تیرا ہے تو تعمیل کیے دیتے ہیں
زندگی ہجر میں تحلیل کیے دیتے ہیں
تو وصل کی خواہش پر بگڑتا کیوں ہے
راہ ہی ہے چلو تبدیل کیے دیتے ہیں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

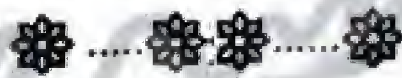
صمید حسن کرنل صاحب کے اصرار پر مریرہ کو گاؤں لے جاتا ہے لیکن خود بزنس کے سلسلے میں واپس شہر چلے آتے ہیں۔ مریرہ گاؤں آ کر بہت خوش ہوتی ہے وہ کیوں کہ کافی عرصے بعد گاؤں آتی ہے، بریرہ اور مریرہ کی بچپن کی بہت سی یادیں حویلی اور گاؤں سے وابستہ ہیں۔ مریرہ عمر (بچپن کے دوست) ساتھ مل کر پرانی باتیں یاد کر رہی ہے۔ عمر کی مریرہ سے بچپن کی محبت ہے جس سے مریرہ بے خبر ہوتی ہے۔ عائلہ فطرت سے پیار کرنے والی بہت حساس طبیعت کی مالک ہوتی ہے، عائلہ موسم کی خوب صورتی دیکھتے ہوئے کرنل صاحب سے پرانی باتیں چھیڑ بیٹھتی ہے جس پر کرنل صاحب جزبز ہوتے صمید اور مریرہ کے بارے میں عائلہ کو مختصر بتا کر آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ کرنل صاحب اور صمید حسن دونوں گھرانوں کی زندگیوں میں مریرہ رحمان ایک اہم باب ہے جب بھی کھلتا ہے دونوں کی زندگیوں میں بے چینی لے آتا ہے۔ عمر فون کال پر مریرہ سے بات کر کے اس کے اندر کے سناٹے کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے لیکن مریرہ مختصر بات کر کے ریسیور رکھ دیتی ہے۔ عمر مریرہ کو اس کے بیٹے کا بتاتا ہے۔ عائلہ آفس سے نکلی تو تھکن سے برا حال ہوتا ہے اور زاویار دو تین دن سے آفس نہیں آ رہا ہے اگر عائلہ چاہتی تو آفس چھوڑ کر گھر بیٹھ سکتی تھی لیکن صمید حسن کی محبت اور مان کی وجہ سے وہ ایسا چاہتے ہوئے بھی نہیں کر سکی۔ سدید آئی ایس آئی جوائن کرنا چاہتا ہے اس حوالے سے وہ کرنل صاحب سے بات کرتا ہے تو وہ سدید سے پہلے شادی کے لیے کہتے ہیں اور ساتھ ہی عائلہ کو پرپوز کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ سدید عائلہ سے محبت کرتا ہے اور اس بات سے کرنل صاحب بخوبی واقف ہوتے ہیں لیکن سدید کی طرح کرنل صاحب بھی عائلہ کے دل تک رسائی حاصل نہیں کر پاتے ہیں۔ وقار الحسن کی پارٹی میں درمکنون کا صیام کا ہاتھ تھامنا اور پارٹی کے درمیان مسلسل اسے دیکھنا صیام کو بے چین کر دیتا ہے۔ زاویار پرہیان کو شاپنگ پر لے کر آتا ہے جہاں پرہیان کی ملاقات عائلہ سے ہو جاتی ہے زاویار عائلہ کو دیکھ کر کڑوا گھونٹ بھر کر رہ جاتا ہے پرہیان عائلہ کو بھی اپنے ساتھ شاپنگ میں شامل کرتی ہے جس پر عائلہ معذرت کرتی اپنی خریداری میں مصروف ہو جاتی ہے لیکن پرہیان زبردستی اسے اپنی پسند سے شاپنگ کراتی ہے۔ احزار سکندر درمکنون پر دل و جان سے فدا ہے اور صیام اس کی نظروں کا مفہوم جانتا ہے، صیام درمکنون کو احزار سکندر سے محتاط رہنے کو کہتا ہے جس پر درمکنون حیران ہوتی ہے۔ پرہیان اپنی شادی کی شاپنگ کرنے کے بعد بہت خوش تھی لیکن یہ خوشی اس وقت ختم ہو گئی جب ساویز کال پر پرہیان سے شادی سے انکار کر دیتا ہے پرہیان کا وجود زلزلوں کی زد میں آ جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



ادای کچھ تو بولو ناں
بھلا تم آج کیوں دل میں
بنا دستک بنا آہٹ سمائی ہو

اداسی چار سو تم ہو
مجانے پھر بھی کیوں گم ہو
بھلا ڈھونڈوں کہاں تم کو
کسی اک سمت میں ہوتی تو تم کو ڈھونڈ ہی لیتی
تمہارے کان میں چپکے سے بس اتنا ہی کہہ دیتی
اداسی تم چلی جاؤ ابھی شام باقی ہے
اندھیرا شام کا چھا جائے تو
میری پلکوں پہ سارے درد رکھ جانا
اداسی تم کہاں ہو میں کہاں ڈھونڈوں تمہیں بولو؟
مجھے لگتا ہے کہ تم دل کے
بدلتے موسموں کے بیچ ٹھہری ہو
تبھی تو اتنی گہری ہو......!!



سیل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا گرا۔ وہ ساکت و جامد سی چپ چاپ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"یہ کیا کہا تھا ساویز نے اس سے کہ وہ اس سے شادی نہیں کرسکتا مگر کیوں؟ ایسا کیا قصور سرزد ہو گیا کہ وہ شادی سے فقط چند دن قبل اس کو اپنے راستے ہی الگ کر رہا تھا وہ ساویز جسے اس سے بات کیے بغیر نیند ہی نہیں آتی تھی جو یونیورسٹی پیریڈ میں پروانوں کی طرح اس کے گرد منڈلایا کرتا تھا۔ جسے کسی بھی پل سوائے پریہان کے اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا تھا...... وہی تھا جس نے اپنے گھر والوں کے ساتھ لڑ کر پریہان سے منگنی کا بندھن قائم کیا تھا۔

زندگی میں کئی بار وہ لڑے تھے کئی کئی دن ایک دوسرے سے ناراض بھی رہے تھے...... مگر تب بھی اس نے کبھی اپنا راستہ الگ کرنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا...... تو پھر اب کیا ہو گیا تھا؟

بہت سوچنے سے بھی اسے اپنا کوئی قصور، کوئی خطا یاد نہیں آ رہی تھی تو پھر وہ ایک دم سے اسے چھوڑنے کا فیصلہ کیسے کرسکتا تھا۔

ماؤف ذہن کے ساتھ ایک مرتبہ پھر اس نے اسے کال بیک کی مگر اس بار ساویز نے اس کی کال پک نہیں کی۔

اس کی شرٹ جل گئی تھی مگر اسے پروا نہیں تھی۔ جلتے ہوئے دل کی تکلیف، قیمتی شرٹ کے جلنے سے کہیں زیادہ تھی۔ بار بار وہ اسے کال کر رہی تھی مگر وہ پک نہیں کر رہا تھا تبھی مجبور ہو کر وہ اسی حلیے میں گاڑی لے کر اس کے گھر کے لیے روانہ ہو گئی۔

"اگر وہ اس کے ساتھ مذاق کر رہا تھا تو بے حد بھونڈا مذاق تھا۔" سارہ بیگم، صمید صاحب اور زاویار میں سے کوئی بھی گھر پر نہیں تھا وہ بے دردی سے آنسو بہاتی تیز ڈرائیو کرتی رہی۔

ساویز کے گھر پہنچ کر اسے پتا چلا کہ وہ گھر پر نہیں تھا۔ دریا سے روتے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔

وہ گاڑی سے باہر نہیں نکلی تھی۔ دریہ کو اس کے ہارن پر گھر سے باہر آنا پڑا تھا۔

"کیا ہوا پری، تم رو کیوں رہی ہو، سب ٹھیک تو ہے ناں؟"

"پتا نہیں، ساویز کہاں ہے؟"

"وہ تو گھر پر نہیں ہے، کیوں کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں، مجھے اس سے بہت ضروری بات کرنی ہے پلیز تم اسے کال کر کے گھر بلاؤ۔"

"اوکے مگر تم اندر تو آؤ۔"

"نہیں مجھے اندر نہیں آنا، پلیز پہلے تم اسے یہاں بلاؤ۔"

"پری بات کیا ہے یار تم مجھے پریشان کر رہی ہو؟"

"پریشان ساویز کررہا ہے دریہ، وہ مجھ سے رشتہ ختم کرنا چاہتا ہے مگر میں اسے ایسا نہیں کرنے دوں گی۔"
"وہاٹ...... کیا یہ تم سے کہا اس نے؟"
"ہاں۔"
"مگر وہ ایسا کیسے کرسکتا ہے وہ تو تم سے بے حد پیار کرتا ہے پری۔"
"یہی میں بھی جاننا چاہتی ہوں کہ وہ ایسا کیوں کررہا ہے؟" وہ ابھی بھی رورہی تھی۔
دریہ اس پر سے نظریں ہٹا کر ساویز کو کال ملانے لگی مگر اس کا نمبر اب پاور آف مل رہا تھا۔
"اس کا نمبر بند جارہا ہے پری مگر تم ٹینشن مت لو، میں اس سے بات کروں گی بلکہ مما اور پاپا بھی اس کی کلاس لیں گے وہ اتنا بڑا فیصلہ یوں اکیلے نہیں کرسکتا۔" کھڑکی پر جھکی وہ اسے تسلی دے رہی تھی۔
پرہیان نے آنسو پونچھ کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گاڑی ریورس کرلی۔
"پری اندر آؤ پلیز۔"
"نہیں ابھی نہیں آسکتی، پلیز تم اس سے رابطہ کرکے مجھے کال ضرور کرنا۔"
"او کے۔" دریہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ پرہیان نے گاڑی آگے بڑھادی۔



ساویز جس وقت گھر واپس لوٹا شب کے تقریباً ساڑھے بارہ ہورہے تھے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت سب اس کے انتظار میں متفکر بیٹھے ہوں گے ورنہ شاید وہ صبح ہی گھر واپس آتا۔
دریہ اور مسز آفندی لاؤنج میں بیٹھی اسی کی راہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ گاڑی گیراج میں پارک کرنے کے بعد جیسے ہی لاؤنج میں آیا مسز آفندی اور دریہ کو وہاں بیٹھے دیکھ کر ٹھٹکا۔
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام کہاں تھے اب تک؟" مسز آفندی کا موڈ غصیلا تھا۔ ساویز نے نظر انداز کرتے ہوئے فریج سے پانی کی بوتل نکالی۔
"ایک دوست کے ساتھ تھا' کچھ ضروری کام کے سلسلے میں۔"
"کیسا ضروری کام؟"
"بتادوں گا جب ہوجائے گا۔"
"ساویز تم بہت غلط کررہے ہو، مجھے بتاؤ کن ضروری کاموں کے چکر میں پڑے ہوئے ہو تم۔"
"باہر جارہا ہوں اسی سلسلے میں ویزہ حاصل کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔"
"وہاٹ...... مگر تمہیں بیٹھے بٹھائے باہر جانے کی ضرورت کیوں پیش آگئی وہ بھی اس وقت جب تمہاری شادی میں بمشکل چند دن رہ گئے ہیں...... مگر کیوں؟"
"صبح بتاؤں گا، ابھی بہت تھکا ہوا ہوں پلیز سونے دیں۔" بیزار کن لہجے میں کہتا وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ مسز آفندی اور دریہ اس کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔
اگلے روز ناشتے کی میز پر وہ معمول کی مانند موجود تھا۔ احمد آفندی صاحب اور مسز آفندی دونوں اسی کا انتظار کررہے تھے جبکہ دریہ اپنی نشست پر خاموش بیٹھی تھی۔
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام آؤ بیٹھو۔" احمد آفندی صاحب نے جواب دیا وہ چپ چاپ بیٹھ گیا۔ تبھی احمد صاحب بولے۔
"کیا تمہارے اور پرہیان بیٹی کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے۔"
"نہیں۔"

انمول

❁ زندگی میں دو باتیں تکلیف دیتی ہیں ایک جس کی خواہش ہو اس کا نہ ملنا اور دوسری جس کی خواہش نہ ہو اس کا مل جانا۔

❁ کسی کی حوصلہ شکنی نہ کرو کیا پتا وہ اپنی آخری امید لے کر آیا ہو۔

❁ انسان دکھ نہیں دیتا' انسان سے وابستہ امیدیں دکھ دیتی ہیں۔

❁ اگر آپ سب کچھ کھو چکے ہو تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو سب کچھ کھو دیتا ہے' اس کے پاس پانے کے لیے پوری دنیا ہوتی ہے۔

فیاض اسحاق مہیانہ...... سلانوالی

"نہیں تو پھر رشتہ کیوں ختم کررہے ہو اس سے؟ تمہیں پتا ہے صمید حسن صاحب کا کتنا نام ہے اس شہر میں' شہر کے چند معززین میں شمار ہوتا ہے ان کا اور تم انہی کی بیٹی کے ساتھ شادی سے انکار کررہے ہو، پاگل تو نہیں ہوگئے ہو تم؟" احمد صاحب غصہ ہوئے۔ ساویز نے بے نیازی سے بریڈ پر جیم لگانا شروع کردیا۔

"پرہیان صمید حسن صاحب کی بیٹی نہیں ہے پاپا۔"

"وہاٹ...... یہ کیا بکواس کررہے ہو تم؟"

"بکواس نہیں کررہا پاپا سچ کہہ رہا ہوں، صمید حسن صاحب کی صرف ایک ہی بیٹی ہے، درمکنون صمید پرہیان ان کی بیٹی نہیں ہے یہ سارہ آنٹی کی بیٹی ہے وہ بھی ناجائز۔"

"کیا......؟"

"جی پاپا، یہی سچ ہے۔"

"تم سے کس نے کہا یہ سب؟"

"صمید انکل کی سگی بیٹی درمکنون میری دوست ہے اسے نہیں پتا کہ میری انگیجمنٹ صمید انکل کی ہی لے پالک بیٹی سے ہوئی ہے ابھی چند روز قبل یونہی باتوں باتوں میں، میں نے اس سے اس کے پاپا کا پوچھا تو اس نے صمید انکل کی تصویر دکھادی۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اس کے پاپا نے اس کی وفا شعار ماں کو ایک ایسی عورت کے لیے چھوڑ دیا جو شادی سے پہلے ہی ماں بن گئی تھی اور اب وہ اسی عورت اور اس کی بیٹی کے ساتھ رہتے ہیں۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے پاپا کہ یہ سچ جاننے کے بعد میں کتنا ٹوٹا تھا، کیسے کیسے خواب نہیں سجالیے تھے میں نے اپنی آنکھوں میں پرہیان کے لیے مگر ایک پل میں ہی سارے خواب ٹوٹ گئے۔" وہ بہت دکھی لگ رہا تھا۔

احمد صاحب اور مسز آفندی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہیں؟ دریہ خود ساکت و جامد بیٹھی تھی۔

پرہیان نے زندگی کا اتنا بڑا سچ اس سے کیسے چھپایا؟ کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد مسز آفندی بولیں۔

"ہوسکتا ہے وہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہو۔"

"وہ ایسی لڑکی نہیں ہے مما، میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں اسے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر...... اب صمید صاحب سے کیا کہیں گے۔"

"اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں خود پرہیان سے کل صاف لفظوں میں ساری بات کلیئر کروں گا۔"

"کل کیوں، آج ہی کیوں نہیں؟"

"آج تھوڑا مصروف ہوں اس لیے۔"

"مصروفیت کو سائیڈ پر رکھو، وہ لڑکی بہت پریشان ہے کم از کم اسے پتا تو چلے کہ اسے کیوں ریجیکٹ کیا جارہا ہے؟" مسز آفندی کے لہجے میں غصہ اور ملال تھا۔ ساویز نے اثبات میں سر ہلادیا۔

☆......☆......☆

پرہیان بخار میں مبتلا تھی مگر ساویز کی صرف ایک فون کال پر وہ اس کے بتائے گئے ریستوران میں فوراً پہنچی تھی۔
ساویز نے دیکھا صرف ایک ہی روز میں وہ کسی مرجھائے ہوئے پھول کی مانند کملا کر رہ گئی تھی۔ وہ اسے دکھ نہیں دینا چاہتا تھا مگر مجبور تھا۔ وہ سامنے آ کر بیٹھی تو اس نے بے ساختہ نگاہیں چرائی تھیں۔

''کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں۔'' اس کا لہجہ بھی بھرایا ہوا تھا۔ ساویز کو دل پتھر کرنا پڑا۔

''ایم سوری میں تمہیں دکھی کرنا نہیں چاہتا مگر یہ بھی سچ ہے پری کہ میں تم سے شادی نہیں کرسکتا۔'' پہلے اس نے تابوت میں دفن کیا اور اب باہر نکالنے کی بجائے آخری کیل ٹھونک رہا تھا۔ وہ فق چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''کیوں، میں نے کیا کیا ہے ایسا؟''

''تم نے نہیں کیا مگر تمہاری مما نے ضرور کیا ہے۔''

''کیا کیا ہے میری مما نے؟'' وہ روہانسی ہوئی۔ ساویز نے نظریں پھیر لیں۔

''یہ تم انہی سے پوچھو تو زیادہ بہتر ہے۔''

''ان سے کیوں پوچھوں تم رشتہ ختم کررہے ہو تم سے کیوں نہ پوچھوں۔'' وہ چلائی۔
ریستوران میں اردگرد بیٹھے لوگ بے ساختہ ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ ساویز نے حد درجہ خفت محسوس کی۔

''آہستہ بولو، یہ ریستوران ہے تمہارا گھر نہیں۔''

''تم جسے مسمار کررہے ہو وہ بھی میرا دل ہے کوئی مکان نہیں ہے۔'' وہ اب رو رہی تھی۔ ساویز نے لب بھینچ لیے۔

''تم مجھے پبلک پیلس پر تماشہ بنا رہی ہو پری۔''

''اور تم...... تم میرے ساتھ کیا کررہے ہو؟''

''میں کچھ نہیں کررہا تمہارے ساتھ۔''

''کچھ نہیں کررہے تو مجھے بتاؤ میں لوگوں کو کیا بتاؤں گی کہ شادی سے فقط چند روز قبل میرے ہونے والے شوہر نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔''

''ہماری منگنی ہوئی تھی نکاح نہیں ہوا تھا' جو لوگوں کو بتا نہ سکو، منگنیاں ٹوٹتی رہتی ہیں۔''

''اور اعتبار؟''

''میں نے تمہارا اعتبار نہیں توڑا اعتبار تم نے میرا توڑا ہے۔''

''کیسے، کیا کیا ہے میں نے؟''

''تم نے مجھ سے سچ چھپایا ہے تم جانتی تھیں کہ تم صمید انکل کی سگی بیٹی نہیں ہو، پھر بھی تم نے خود کو ہمیشہ ان کی سگی بیٹی ظاہر کیا۔ حالانکہ حقیقت میں تمہارا کوئی وجود ہی نہیں نہ کوئی پہچان ہے۔'' بڑی سفاکی سے وہ اسے آئینہ دکھا رہا تھا۔
پرہیان کو لگا جیسے اس کا وجود ایک دم سے بلاسٹ ہوگیا ہو۔ یہ کیا کہہ رہا تھا وہ؟ اس کی آنکھیں جیسے ساکت رہ گئی تھیں۔

''کک...... کیا مطلب؟''

''مطلب تمہیں سارا آنٹی بتائیں گی میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ جب صمید انکل نے تمہاری مما کے ساتھ شادی کی اس وقت وہ امید سے تھیں۔ صمید انکل کے ساتھ شادی کے ٹھیک چھ ماہ بعد تم نے ان کی کوکھ سے جنم لیا تھا۔ یہ صمید انکل کی عظمت تھی کہ انہوں نے نہ صرف سارہ آنٹی کو اپنا نام دیا بلکہ تمہیں بھی کبھی باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی، اس روز جب مجھے یہ پتا چلا کہ تم پرہیان صمید نہیں پرہیان عذیر ہو تو میں سمجھا شاید سارہ آنٹی نے صمید انکل سے پہلے بھی کسی کے ساتھ شادی کی تھی مگر مجھے یہ جان کر بہت تکلیف ہوئی کہ سارہ آنٹی کی پہلی شادی صمید انکل کے ساتھ ہی ہوئی تھی۔ میں کوئی بہت اعلیٰ ظرف انسان نہیں ہوں پری ایک معمولی سا روایتی مرد ہوں تم سے لاکھ محبت سہی مگر آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگل سکتا، تم سمجھ سکتی ہو میری مجبوری۔''

کوئی کس حد تک سفاک ہوسکتا ہے وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ساویز نے لفظوں کے تیر پھینکنے بند نہیں کیے۔

''میں اپنی اولاد کے لیے کوئی رسک نہیں لینا چاہتا، میں نہیں چاہتا کہ تم سے شادی کے بعد میں ساری زندگی لوگوں سے نظریں جھکا کر ملتا رہوں، میرے بچے جب اپنی ماں کی حقیقت سے آشنا ہوں تو انہیں کونے کھدروں میں منہ چھپا کر رونا پڑے تم چاہے مجھے جتنا بھی خودغرض کہو مگر میں واقعی ایک ایسی لڑکی کو اپنا ہم سفر بنانا پسند کروں گا جو عزت دار، شریف گھرانے سے تعلق رکھنے والی ایک معزز لڑکی ہو ان فیکٹ مجھ میں ساری عمر سر جھکا کر زندگی گزارنے کا حوصلہ نہیں۔'' وہ شخص صرف خودغرض نہیں بے رحم بھی تھا۔

پریہان کو لگا جیسے پہلی بار اس کے وجود سے ناقابل برداشت بدبو آرہی ہو۔اتنی زیادہ کہ اسے لگا جیسے اردگرد بیٹھے لوگ اٹھ کر اسے پتھر مارنا شروع ہوجائیں گے؟

بھلا ابھی ابھی ساویز نے جو برسائے تھے کیا وہ پتھر نہیں تھے؟ بے حد نوکیلے اور بھاری پتھر......وہ اٹھی اور بے ساختہ لڑکھڑا کر رہ گئی تھی۔

اس نے زندگی میں دانستہ کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔کبھی بھول کر کسی کی دل آزاری بھی نہیں کی تھی۔پھر بھی اس کے وجود کو کانٹوں پر گھسیٹا گیا تھا......کیوں؟ اس کا کیا قصور تھا؟ وہ تو قدرت کی ناجائز پیداوار تھی۔

اس کا جنم بھی لاکھوں جائز بچوں کی طرح ہوا تھا ساری زندگی اس نے اپنے کردار کو بے حد شفاف رکھا تھا پھر بھی وہ گناہ گار ٹھہرائی گئی تھی؟ بغیر کوئی خطا کیے اگر وہ گناہ گار تھی تو پھر اس کا خدا کون تھا جو اسے معاف کرکے اس کی پیشانی پر جمی سیاہی صاف کردیتا۔

اس کی دنیا کون سی دنیا تھی جہاں وہ ایک معزز ہستی کے طور پر پہچانی جاتی؟ یہ کیسے اندھیرے تھے وہ جن میں اب تک جی رہی تھی۔

ذہن تو ماؤف ہوا ہی تھا قدم بھی جیسے بے جان ہوگئے تھے اس وقت وہ ریسٹوران میں اپنا سب کچھ گنوا کر وہاں سے کیسے نکلی تھی صرف اس کا خدا اور اس کا دل ہی جان سکتا تھا۔ہر طرف آوازوں کا شور تھا اور وہ اکیلی پیدل چلی جارہی تھی۔



''زاویار......!'' وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا جب صمید حسن صاحب کی پکار نے اس کے تیزی سے بڑھتے قدم روک لیے۔

''جی پاپا۔''

''صبح ایک کام کہا تھا تم سے ابھی تک ہوا کہ نہیں؟'' وہ لاؤنج میں کھڑے تھے۔سارہ بیگم بھی وہیں موجود تھیں۔وہ پلٹ کر نیچے اتر آیا۔

''جی پاپا ابھی وہیں سے فارغ ہوکر آرہا ہوں صبح آفس سے سیدھا گاؤں کی طرف نکل گیا تھا پوری حویلی کی صفائی کرادی ہے۔سارے انتظامات بھی دیکھ آیا ہوں پری بھی کیا یاد کرے گی کتنے ڈیسنٹ بھائی سے پالا پڑا ہے اس کا۔''

''ہوں اس میں تو کوئی شک نہیں، بھائی تو واقعی بہت پیارا دیا ہے اللہ نے اسے۔'' سارہ بیگم مسکرائی تھیں۔وہ کن اکھیوں سے زاویار کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں تو صمید صاحب بھی مسکرادیے۔

''بھائی کی بہن بھی بہت پیاری ہے۔جن دنوں تم ایبروڈ ہوتے ہو، پاگل بنی رہتی ہے تمہارے لیے۔''

''آہم......مگر وہ ہے کہاں......صبح سے دکھائی نہیں دی۔''

''اپنے کمرے میں ہے شاید سو رہی ہے، میں نے دو تین بار آواز دی ہے مگر اس نے رسپانس نہیں دیا شاید گہری نیند سو رہی ہے۔''

''واؤ یعنی یہاں میں اس کی خوشیوں کے لیے ذ[illegible]ار ہورہا ہوں اور وہ شہزادی صاحبہ مزے سے گہری نیند سو رہی ہیں ابھی خبر لیتا ہوں اس کی۔'' سارہ بیگم کی اطلاع پر دل جلے سے لہجے میں کہتا وہ پھر سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔تبھی صمید صاحب نے سارہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

غزل

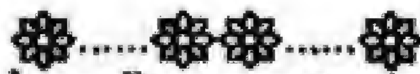
آنکھوں میں بسے خواب سی لڑکی
نیندوں میں اترے عذاب سی لڑکی
چاند کے اس پار گگن میں
رہتی ہے وہ ماہتاب سی لڑکی
باتوں ہی باتوں میں کبھی ہنسنا کبھی رونا
بڑی عجیب تھی وہ بند کتاب سی لڑکی
دل میں بسی ہے دھڑکن کی طرح
خاموش خاموش حاضر جواب سی لڑکی
دنیا کی بھول بھلیوں میں کھوگئی کہیں
وہ اپنے آپ میں مگن نواب سی لڑکی
کانٹوں بھری اس دنیائے فانی میں انا
بہت یاد آتی ہے وہ مجھے گلاب سی لڑکی

عنزہ یونس انا...... حافظ آباد

''میں جانتا ہوں سارہ کہ پری یہ حقیقت جاننے کے بعد کہ وہ میری سگی بیٹی نہیں ہے، بہت چپ چپ سی اداس رہنے لگی ہے مگر میرا خدا جانتا ہے، میں نے کبھی ایک لمحے کے لیے یہ تصور نہیں کیا کہ وہ میری سگی بیٹی نہیں۔ میں نے ہمیشہ اس کی معصوم صورت میں درمکنون کا چہرہ دیکھا ہے۔ زندگی میں جب جب اس نے مجھے پاپا کہا ہے میرے کانوں میں اس کی آواز، درمکنون کی آواز کی پرچھائی بن کر امرت کی صورت اتری ہے۔ پیدائش کے بعد جب اس کا ننھا سا وجود میرے ہاتھوں میں تھمایا گیا تو میرے اندر سکون کی گہری لہر اتر گئی تھی۔ اس وقت سے لے کر آج تک میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ وہ میری سگی بیٹی نہیں۔''

''میں سمجھتی ہوں صمید! بے شک درمکنون اور پریہان دنیا کی سب سے خوش نصیب بیٹیاں ہیں آج کل کے دور کی کہ جنہیں آپ جیسا محبت کرنے والا آئیڈیل باپ ملا۔'' سارہ بیگم کی پلکیں نم تھیں۔ صمید صاحب وہیں لاؤنج میں صوفے پر ٹک گئے۔

''کیا واقعی وہ درمکنون کے آئیڈیل باپ تھے؟'' کبھی کبھی انسان کو بے چین کرنے کے لیے صرف ایک لمحہ ہی بہت ہوتا ہے۔ پاس کھڑی سارہ بیگم ان کے اضطراب سے بے خبر آنے والے دنوں کا سوچ کر خوش ہورہی تھیں۔ انہیں لگا جیسے انہیں اپنی تمام تر ریاضتوں کا صلہ مل گیا ہو۔ وہ سفر جو بہت سال پہلے انہوں نے آبلہ پا صمید حسن صاحب کے ساتھ شروع کیا تھا اس سفر کی تمام تر اذیتوں کو مرہم مل گیا ہو۔



صیام کو ورکشاپ میں ملازمت مل گئی تھی۔ وہ ماہر موٹر مکینک تھا ہر قسم کے انجن کی خرابی چیک کر کے چند گھنٹوں میں دور کردیتا مگر اس نے اس کام کو بطور فیشن نہیں اپنایا تھا۔ وہ پڑھا لکھا، محنتی تھا اس کے پاس تعلیمی ڈگریاں تھیں اسی لیے اسے یہ کام اپنے شایان شان نہیں لگتا تھا مگر حالات کی ستم ظریفی کہ اب اسے پارٹ ٹائم جاب میں یہی کام کرنا پڑ رہا تھا۔

صبح سے شام پانچ بجے تک اس کی آفس میں ڈیوٹی ہوتی اور پانچ سے سات بجے تک وہ ورکشاپ پر کام کرتا اور پھر سات بجے کے بعد تھکن سے نڈھال گھر کی راہ لیتا۔ مسلسل محنت اور ناسازگار حالات کی وجہ سے اس کی صحت بھی متاثر ہورہی تھی۔ اس روز اس نے دفتر میں حنان سے قرض کے لیے بات کی تھی جب وہ بولا۔

''ابھی قرض ملنا مشکل ہے صیام، کیونکہ کمپنی ابھی کچھ نئے پروجیکٹس شروع کررہی ہے پھر ابھی پچھلے مہینے میں نے ڈیڑھ

لاکھ کا قرض لیا ہے ایسے میں پھر سے میڈم سے قرض کی بات کرنا وہ بھی اس وقت جبکہ تیری جاب کو ابھی زیادہ ٹائم نہیں ہوا بہت مشکل ہے۔"

"میں ان ساری باتوں سے واقف ہوں مگر میرے حالات میرے بس میں نہیں ہیں یار۔"

"وہ تو ٹھیک ہے میں سمجھتا ہوں مگر اس جاب کی بھی کچھ مجبوریاں ہیں یار، بہتر ہوگا اگر تم اپنے طور پر میڈم سے قرض کی بات کرلو۔"

"مجھ میں اتنی ہمت ہوتی تو تجھ سے کیوں کہتا۔"

"پھر اب کیا ہوسکتا ہے۔"

"پتا نہیں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کیا کروں؟"

"تم پریشان مت ہو اللہ کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکالے گا۔"

"ہوں۔" اثبات میں سر ہلا کر وہ حنان کے پاس سے اٹھ آیا تھا۔

اس روز درمکنون آفس آئی تو اس کے گلے میں دوپٹا تھا جو اس نے سینے پر پھیلایا ہوا تھا۔ صیام کو بے پناہ خوشی ہوئی۔ وہ اسے دن بھر کے پروگرامز سے آگاہ کررہا تھا جب وہ بولی۔

"شام والا سائٹ وزٹ کینسل کردیں کیونکہ شام میں مجھے شاپنگ کے لیے جانا ہے میری بہت کلوز فرینڈ کی سال گرہ ہے۔"

"جی ٹھیک ہے۔"

"اور آپ کے گھر میں سب ٹھیک ہیں۔"

"جی الحمدللہ۔"

"چلیں ٹھیک ہے حنان صاحب کو بھیجیں اندر پلیز۔" اس کا لہجہ ہمیشہ بہت نارمل سا ہوتا تھا اس کے باوجود وہ اسے چاہنے سے باز نہ رہ سکا۔

درمکنون اس روز مکمل بلیک سوٹ میں ملبوس بے حد پیاری لگ رہی تھی صیام ضبط کی ہزار کوششوں کے باوجود اپنی نظروں کو بار بار اس کی طرف اٹھنے سے نہ روک پارہا تھا۔ شام میں جب وہ آفس سے نکل رہا تھا درمکنون نے اسے بلالیا۔

"مسٹر صیام، پلیز گاڑی نکالیں، مجھے شاپنگ کے لیے جانا ہے۔ بہت لیٹ ہوگئی ہوں۔" وہ اسے کہنا چاہتا تھا کہ آفس ٹائم ختم ہوگیا ہے اسے اب پارٹ ٹائم جاب کے لیے ورکشاپ پر جانا ہے مگر نہ کہہ سکا۔

جس وقت وہ گاڑی نکال رہا تھا ہلکی ہلکی بوندا باندی ہورہی تھی۔ درمکنون موبائل فون پر کسی سے بات کرتی گاڑی میں آبیٹھی۔ صیام جس وقت گاڑی اسٹارٹ کررہا تھا اس نے اسے کہتے ہوئے سنا تھا۔

"اوہ میری پیاری ماں آپ بالکل بھی پریشان مت ہوں، میں شاپنگ میں زیادہ وقت نہیں لگاؤں گی جلدی گھر بھیج دوں گی اسے مجھے بھی پتا ہے کہ موسم کے تیور ٹھیک نہیں، اتنی ظالم باس نہیں ہوں میں جتنی آپ مجھے سمجھتی ہیں۔" شاید وہ اسی کے بارے میں بات کررہی تھی۔

صیام چپ چاپ ڈرائیو کرتا رہا۔ مارکیٹ پہنچتے تک ہلکی بوندا باندی تیز بارش میں بدل گئی تھی۔ صیام کو ورکشاپ کے مالک کی فکر لگی رہی پتا نہیں وہ کتنا ناراض ہورہا ہوگا۔ درمکنون جیسے ہی گاڑی سے نکلی تھی کسی سے ٹکرا گئی۔

"سوری۔" پلٹ کر سوری کرتے ہوئے اس نے جیسے ہی مقابل کو دیکھا تو خوش ہوگئی۔

"ارے ساویز تم یہاں وہ بھی اتنی بارش میں؟" مقابل کھڑے نوجوان کے لیے اس کی اتنی خوشی صیام کی سمجھ سے باہر تھی جبکہ نوجوان مسکرا رہا تھا۔

"ہوں، تم نے سنا نہیں بارش میں کیڑے مکوڑے زیادہ نکلتے ہیں۔" درمکنون کھل کر ہنسی۔

صیام کا خون جل کر راکھ ہوگیا۔ مگر وہ پروا کیے بغیر اس کی طرف گھمی تھی۔

"موسم خراب ہے آپ پلیز گھر چلے جائیں میرا فرینڈ مل گیا ہے میں اس کے ساتھ گھر چلی جاؤں گی۔" وہ بے

مختصر مختصر

جو اچھا لگتا ہے اسے غور سے مت دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کوئی برائی نکل آئے۔
جو بُرا لگتا ہے اسے غور سے دیکھو ممکن ہے کوئی اچھائی نظر آجائے۔

امینہ رؤف...... جہلم

اکثر لوگ اس لیے اکیلے ہوتے ہیں کیونکہ وہ صرف سچ بولتے ہیں اور کوئی سچ سننا پسند نہیں کرتا۔

مصباح مسکان رؤف...... جہلم

نیازی سے بولی۔

صیام اپنے اندر کی ہلچل پر قابو پاتے اس کے حکم پر چپ چاپ گاڑی سے باہر نکل آیا۔ مارکیٹ سے ٹیکسی لے کر جس وقت وہ ورکشاپ پہنچا ورکشاپ بند ہو چکی تھی۔ اس کی بائیک آفس میں کھڑی تھی۔ ورکشاپ سے آفس پہنچنے میں مزید پانچ سو روپے ٹیکسی کے کرائے کی مد میں خرچ ہو گئے۔

اس روز دفتر سے گھر پہنچنے تک وہ بہت بری طرح بھیگ چکا تھا اتنا کہ اگلے دن تیز بخار نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ بخار اتنا تھا کہ اس سے آنکھیں بھی نہیں کھولی جا رہی تھیں۔

درمکنون اگلے روز آفس آئی تو صیام کی غیر حاضری کی درخواست منہ چڑا رہی تھی۔ وہ جی بھر کر اپ سیٹ ہوئی۔ آج ہی اسے وہ تمام اہم امور نمٹانے تھے جو کل شاپنگ کی وجہ سے ادھورے رہ گئے مگر...... آج ہی صیام نے چھٹی کرلی تھی۔ حنان البتہ اپنی سیٹ پر موجود تھا۔ درمکنون نے اسے طلب کرلیا۔

''جی میڈم۔''

''مسٹر حنان، مسٹر صیام کو فون کریں مجھے آج بہت اہم وزٹ پر جانا ہے۔'' قدرے معروف انداز میں اس نے حکم دیا تھا۔

حنان کی نظریں کی بورڈ پر تیزی سے حرکت کرتیں اس کی مخروطی موی انگلیوں پر جم گئیں۔

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے میڈم کل بارش میں بہت زیادہ بھیگنے کی وجہ سے اسے بہت تیز بخار ہے میں نے صبح کال کی تھی ان کے گھر وہ بے ہوش پڑا ہے۔''

''مگر اسے بارش میں اتنا بھیگنے کی کیا ضرورت تھی؟'' ذرا کی ذرا اس نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

حنان نے جلدی سے نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

''میری اس کی ماں جی سے بات ہوئی تھی وہ بتا رہی تھیں کہ وہ آفس سے بہت لیٹ گھر پہنچا تھا شاید اسی لیے بارش میں بھیگتا رہا۔''

''مگر میں نے تو اسے بہت جلدی بھیج دیا تھا خیر آپ جا سکتے ہیں۔''

''جی میم۔'' اثبات میں سر ہلا کر وہ پلٹا تھا کہ پھر رک گیا۔

''ایکسکیوزمی میم مجھے صیام کے بارے میں آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔''

''جی کہیں۔'' پھر ذرا نظریں اٹھا کر اس نے حنان کی طرف دیکھا تھا۔ وہ قدرے نروس ہو گیا۔

''وہ بات دراصل یہ ہے کہ صیام کے حالات کچھ ٹھیک نہیں ہیں مطلب گھر کے حالات اس کے والد صاحب بستر پر پڑے ہیں ان کی آنکھ کا آپریشن ہونا ہے اور کڈنی کا بھی اوپر سے چھوٹی بہن کے سسرال والے شادی کی تاریخ مانگ رہے ہیں مگر گھر کی یہ حالت ہے کہ ایک ٹائم کھانا پکتا ہے دوسرے ٹائم کا پتا نہیں ہوتا۔ ایسے میں وہ چاہ رہا ہے کہ اگر کمپنی کی طرف سے اسے کچھ قرض مل جائے تو اس کے مسائل تھوڑے کم ہو سکتے ہیں۔''

''ایم سوری مسٹر حنان کمپنی اس وقت کسی بھی ورکر کو قرض دینے کی پوزیشن میں نہیں۔''

''مگر وہ بہت زیادہ کی ڈیمانڈ نہیں کر رہا میم۔'' درمکنون کے صفا چٹ جواب پر حنان نے ہلکا سا احتجاج کیا تھا

جب وہ خفگی سے بولی۔
''پیسوں کی ضرورت انہیں ہے اور وکیل بن کر آپ میرے سامنے آ کھڑے ہوئے ہیں کیا ان کے منہ میں زبان نہیں ہے، دوسری بات، مما نے جتنا لٹانا تھا لٹا دیا، میں اس کمپنی میں ترقی کیلئے آئی ہوں ایسے ہر روز ہر در کر کی ضرورتوں پر کان دھرتی رہی تو ہو گیا بزنس اب آپ جائیں پلیز مجھے بہت کام ہے۔'' تلخ لہجے میں بات مکمل کرتے ہی اس کی انگلیاں پھر حرکت میں آ گئی تھیں۔

حنان بے حد شکستہ دلی کے ساتھ اس کے آفس سے باہر آیا تھا۔ اسی شام ساویز کے ساتھ اس کا ڈنر تھا وہ ملک سے باہر جا رہا تھا تبھی درمکنون نے اسے ڈنر کی پیش کش کی جسے اس نے خندہ پیشانی سے قبول بھی کر لی تھی۔

ساویز وائٹ کاٹن کے کرتا شلوار میں ملبوس جبکہ درمکنون نے مکمل بلیک شلوار قمیص زیب تن کر رکھی تھی۔ ہلکے میک اپ کے باوجود اس کا حسن دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ساویز جب اس کے سامنے آ کر بیٹھا تھا تو چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا تھا۔ ڈنر آرڈر کرنے کے بعد درمکنون نے اس سے پوچھا تھا۔

''تمہاری تو شادی ہونے والی تھی ساویز پھر یہ اچانک سے دربدری کا بھوت کیوں سوار ہو گیا تمہارے سر پر۔''

''بس یار میں اس سے شادی نہیں کر رہا۔''

''مگر کیوں، تمہاری تو محبت کی شادی ہو رہی تھی۔''

''ہو رہی تھی نا پر اب نہیں ہو رہی۔''

''وہی تو میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ اب کیوں نہیں ہو رہی؟''

''تم پوچھ کر کیا کرو گی؟''

''تمہیں سمجھاؤں گی اگر تم غلط ہوئے تو۔''

''میں غلط نہیں ہوں۔''

''ٹھیک ہے تو پھر مجھے ساری بات بتاؤ آخر چند دنوں میں ایسا کیا ہوا ہے جو تم شادی کے ساتھ ساتھ اپنی محبت سے بھی منکر ہو گئے ہو۔'' وہ جاننے کے لیے بضد تھی۔ ساویز نے نظریں اس کے خوب صورت چہرے سے ہٹالیں۔

''وہ میرے قابل نہیں ہے دری، ان فیکٹ میری بیوی بننے کے قابل نہیں ہے وہ۔''

''مگر کیوں؟''

''کیونکہ..... کیونکہ وہ ایک ایسی ماں کی بیٹی ہے جو شادی سے پہلے ہی ماں بن گئی تھی۔''

''وہاٹ.....؟''

''ہوں..... وہ اسی عورت کی بیٹی ہے جس نے مریرہ آنٹی سے ان کا محبوب شوہر اور تم سے تمہارا محبوب باپ چھین لیا تھا۔'' ساویز کے الفاظ نہیں تھے کوئی بم تھا جو اس کی سماعتوں پر گرا تھا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟''

''سچ کہہ رہا ہوں اس نے آج تک کبھی مجھے اپنی حقیقت نہیں بتائی اس روز میں تمہارے پرانے گھر گیا تھا تم سے ملنے مگر وہاں پہنچ کر خبر ہوئی کہ تم لوگ اپنا گھر تبدیل کر چکے ہو پانچ سال دیار غیر میں گزارنے کے سبب مجھے پتا ہی نہیں چل سکا کہ پیچھے کیا کیا تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ یونیورسٹی میں بھی تم مجھ سے ایک کلاس آگے تھیں اسی لیے کبھی کھل کر تمہاری زندگی پر بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ مگر اس روز تمہارے گھر تمہارے پاپا کی تصویر مریرہ آنٹی کے ساتھ دیکھ کر میری آنکھیں حیران رہ گئی تھیں۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تم صمید انکل کی حقیقی بیٹی ہو سکتی ہو میں تو پری کو ہی ان کی حقیقی بیٹی سمجھتا تھا اور اسی لیے میں نے اسے ایک لائف پارٹنر کی حیثیت سے پسند کیا تھا مگر بعد میں بغیر کچھ جانے جب تم نے مجھے اپنی زندگی کی کہانی سنائی اور انکل آنٹی کی دوری کی اصل وجہ بھی میرے سامنے لائیں تب میرے پیروں تلے سے زمین نکلی تھی بھلا میں سوچ بھی کیسے سکتا تھا کہ جس لڑکی کو اس کی عزت بچانے کے لئے مجبوراً صمید انکل نے اپنا نام دیا وہ لڑکی کوئی اور نہیں پریہان کی سگی ماں سارہ آنٹی ہوں گی۔ میں بہت رویا تھا اس

نصیحت آمیز باتیں

☐ جب انسان کو اس بات کا احساس ہو کہ وہ اب اپنے فرائض بخوبی اور احسن طریقے سے سرانجام نہیں دے سکتا تو وہ اس کام کو چھوڑ دے۔

☐ جہاں عزت نفس اور احترام آدمیت کو مجروح کیا جائے وہاں سے خاموشی سے چلے جانا چاہیے۔

☐ جب لوگ ہم سے بچھڑ کر اور ہمیں چھوڑ کر خوش رہ سکتے ہیں تو ہمیں بھی ان کے بغیر خوش رہنا سیکھ لینا چاہیے۔

☐ کسی کے سامنے اپنے درد کو آشکار مت کرو کہ وہ کبھی بھی آپ کو اس بات کا طعنہ دے سکتا ہے۔

☐ زندگی میں کبھی اس شخص کو صفائی مت دو جو آپ پر بھروسے کا دعویٰ کرتا ہے۔

☐ زندگی سے روٹھے ہوئے کسی شخص کو زندگی بخشنا اور اسے خوشیاں دے کر تم اپنی آخرت بنا سکتے ہو۔

ہالہ سلیم...... کراچی

رات، اپنے ساتھ ہوئے تقدیر کے عجیب مذاق پر بہت گلے شکوے بھی کیے پوری رات دماغ اور دل کی جنگ میں الجھتا رہا اور بلآخر دماغ جیت گیا۔ میں ایک ایسی لڑکی کو کسی طور اپنی زندگی میں شامل نہیں کر سکتا جس کا حوالہ ہی میرے لیے بے حد شرمندگی کا باعث ہو، محبت اپنی جگہ مگر میں اتنا اعلیٰ ظرف نہیں ہوں کہ اتنی بڑی بات نظر انداز کردوں۔ میں اس مشرقی معاشرے کا عزت دار، معزز شہری ہوں دری، ایک داغ دار لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کر کے بھلا میں اپنی پوری زندگی داغ دار کیسے کر سکتا ہوں۔" وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ درمکنون گم صم اسے دیکھتی رہی۔ تبھی وہ پھر بولا تھا۔

"وہ میرے قابل نہیں ہے دری، اسی لیے تمہارے پاس آیا ہوں، کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟" اب کے وہ چونکی تھی۔

"وہاٹ ہم...... میں کیسے کر سکتی ہوں تم سے۔"

"کیوں، تم کیوں شادی نہیں کر سکتیں مجھ سے، مجھ میں کس چیز کی کمی ہے۔"

"بات کمی کی نہیں ہے ساویز، بات دل کی ہے میں نے تمہارے لیے کبھی کچھ خاص محسوس نہیں کیا اپنے دل میں۔"

"جانتا ہوں مگر یہ سب اس لیے تھا کیونکہ اس وقت میں کسی اور سے منسوب تھا۔ اب ایسی کوئی بات نہیں ہے لہٰذا تم ٹھنڈے دل و دماغ سے میرے بارے میں سوچ سکتی ہو، جتنا تم کہو گی انتظار کرلوں گا۔"

"ٹھیک ہے مگر ابھی میں گھر جانا چاہوں گی میرے سر میں اچانک سے بہت شدید درد شروع ہو گیا ہے۔"

"اوکے، چلو میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔"

"نہیں تم کھانا کھاؤ پلیز، میں تھوڑی دیر سڑکیں ناپتی ہوئی گھر جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔" وہ اس کے مزاج سے واقف تھا تبھی اس نے بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

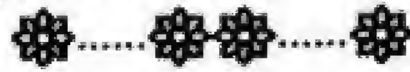
درمکنون الجھے دل و دماغ کے ساتھ وہاں سے اٹھ آئی۔

مریرہ بیگم رات بہت دیر تک اس کا انتظار کرتی رہی تھیں۔ وہ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے گھر آئی تو تھکن سے بے حال تھی تبھی مریرہ بیگم نے اس کی کلاس لینے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ بنا کھانا کھائے وہ اپنے کمرے میں آ کر فوراً بستر میں دبک گئی تھی۔

اس وقت خنکی موسم میں نہیں اس کے وجود میں اتری ہوئی تھی۔ وہ عورت جس نے اس کی ماں کی زندگی اجاڑ کر رکھ دی تھی اس کی بیٹی آج بھی کتنی شان کے ساتھ اسی کے سگے باپ کی لخت جگر بن کر عیش کر رہی تھی۔ جو حق اس کا تھا وہ استعمال کر رہی تھی۔ جائز اولاد ہو کر بھی اس کے حصے میں صرف محرومیاں آئی تھیں جبکہ وہ، ماں اور باپ کے ساتھ ساتھ اسی کے بھائی کے پیار کی بھی زندہ مثال بنی ہوئی تھی۔

کیوں؟ اس نے اپنے اندر ٹٹول کر دیکھا وہاں ساویز سمیت کسی مرد کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس نے یونیورسٹی میں ساویز

کے ساتھ ایک سال گزار کر بھی کبھی دل میں اس کے لیے کوئی خاص جذبہ محسوس نہیں کیا تھا۔
زاویار جیسے لڑکیوں سے الرجک تھا بالکل ویسے ہی وہ مردوں سے شدید الرجک تھی پچیس سال اپنی ماں کی آنکھوں میں درد کی پرچھائیں دیکھنے کے بعد اس کے دل میں کسی مرد کے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا ہو بھی نہیں سکتا تھا۔
مگر...... وہ پھر بھی ساویز کے لیے سوچ رہی تھی۔ کوئی جذبہ کوئی دلچسپی نہ ہونے کے باوجود وہ اس کے پرپوزل پر غور کر رہی تھی۔
پچیس سال پہلے جس عورت نے اس کی بے مثال ماں سے ان کا محبوب شوہر چھینا تھا آج اسی عورت کی بیٹی سے وہ اس کا ہونے والا محبوب شوہر چھین کر اپنے اندر سلگتی آگ کو بجھانے کا سوچ رہی تھی بے شک اسی میں اس کی جیت تھی۔



پانیوں پہ مت لکھو
پانیوں پر لکھنے کی عادتیں نہیں اچھی
ان پہ جو بھی لکھو گے
وصل ہو کہ فرقت ہو
درد ہو کہ لذت ہو
دائمی نہیں ہوتا
پانیوں کی تحریریں بے ثبات ہوتی ہیں
خوش گمان کرتی ہیں
بے نشان کرتی ہیں

رات آدھی سے زیادہ ڈھل چکی تھی جب زاویار گھر واپس آیا۔ لان کی لائٹ جل رہی تھی۔ وہ گاڑی پارک کرنے کے بعد باہر نکلا تو نظر سیدھی، لان کی سیڑھیوں پر گھٹنوں پہ سر ٹکائے بیٹھی پریہان پر جا پڑی۔ وہ چونک اٹھا۔
بھلا رات کے تین بجے وہ وہاں بیٹھی کیا کر رہی تھی جبکہ اس نے آج تک اسے کبھی تہجد پڑھتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس کی سمت بڑھا اور پھر چپکے سے اس کے پہلو میں جا بیٹھا۔
"السلام علیکم! یہ دن بھر سونا اور رات میں آخری پہر تک جاگ کر تارے گننا کب سے شروع کر دیا میری مانو بلی نے۔" وہ تھکا ہوا تھا مگر اس نے اپنی تھکن اس پر ظاہر نہیں کی تھی۔ پریہان نے اس کے قریب بیٹھنے پر اپنے آنسو اندر اتار لیے۔
"نیند نہیں آ رہی تھی بھائی، اسی لیے یہاں آ کر بیٹھ گئی۔"
"آہم...... اب نیند بھلا آ بھی کیسے سکتی ہے شادی میں صرف ایک ہفتہ جو رہ گیا ہے۔"
"ایسی بات نہیں ہے۔"
"پھر کیسی بات ہے بتاؤ مجھے یہ تمہاری آنکھیں کیوں سوجی ہوئی ہیں کیا تم روتی رہی ہو پری؟"
"نہیں۔"
"جھوٹ مت بولو مجھے بتاؤ شاباش کیا بات ہے۔" وہ بضد ہوا۔
پریہان کے ضبط کی طنابیں ٹوٹ گئیں۔ آنسوؤں کا جو طوفان اس نے اب تک روک رکھا تھا وہ ایک دم سے ابل پڑا۔ زاویار کے کندھے سے ٹیک لگاتے ہوئے وہ بلک بلک کر رو دی تھی۔ وہ پریشان ہو گیا۔
"پری، کیا ہوا، کسی نے کچھ کہا ہے سب ٹھیک تو ہے؟" پریہان میں اس کی جان تھی اور اس وقت اس کے آنسوؤں نے اس کی جان پر بنا کر رکھ دی تھی۔ مگر وہ پروا کیے بغیر دل کھول کر روتی رہی یوں جیسے وہ مہربان کندھا پھر ملے گا ہی نہیں۔ زاویار چند لمحوں تک اس کی سسکیاں سنتا رہا پھر اس نے نرمی سے اس کا سر پکڑ کر اسے خود سے الگ کیا۔
"مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟" وہ اب سنجیدہ تھا۔

غزل

زمانہ دوست ہوجائے تو بہت محتاط ہوجانا
کہ اس کے رنگ بدلنے میں ذرا سی دیر لگتی ہے
کوئی جو خواب دیکھو تو اسے فوراً بھلا دینا
کہ نیندیں ٹوٹ جانے میں ذرا سی دیر لگتی ہے
کسی کو دکھ کبھی دینا تو اتنا سوچ کر دینا
کسی کی آہ لگنے میں ذرا سی دیر لگتی ہے
بہت ہی معتبر ہیں جن کو محبت راس آجائے
کسی کو راہ بدلنے میں ذرا سی دیر لگتی ہے

لیلیٰ رب نواز لیلیٰ...... ودھیوالی بھکر

ریہان نے نظریں پھیر لیں، اس کی آنکھیں جیسے جل رہی تھیں۔ عجیب بات تھی کہ وہ اس کو نہ اصل حقیقت بتا سکتی تھی نہ کچھ چھپا سکتی تھی پھر بھی خود پر ضبط کرتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے شکستہ لہجے میں بولی۔

"میں ساویز آفندی کے ساتھ شادی نہیں کررہی بھائی۔"

"وہاٹ...... مگر کیوں تم تو اسے پسند کرتی ہو۔"

"ہوں مگر وہ مجھے پسند نہیں کرتا بھائی، اس نے آج تک مجھے دھوکے میں رکھا، جھوٹ کہا مجھ سے کہ وہ مجھ سے پیار کرتا ہے حقیقت میں اسے میری ذات سے کوئی پیار نہیں تھا وہ جسٹ اس لیے مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا کیونکہ میں ایک رئیس باپ کی اکلوتی بیٹی تھی اس کی نظر میں مگر جب اسے لگا کہ میں پاپا سے کچھ نہیں لوں گی اس نے خود اپنے منہ سے مجھے ساری سچائی بتادی۔ وہ بہت لالچی شخص ثابت ہوا بھائی مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیوں اتنے سالوں تک اس کے اندر کی بات نہیں جان پائی کیوں کھلونا بنی رہی میں اس کے ہاتھوں میں کیوں یہ سمجھتی رہی کہ پیار ہی اس دنیا کی سب سے بڑی سچائی ہے جبکہ حقیقت میں پیار جیسی بے مول اور سستی چیز دوسری کوئی نہیں۔"

"ایسا نہیں ہے تم نے کیوں کہا اس سے کہ تم پاپا سے کچھ نہیں لوگی؟"

"بس یونہی اس کی محبت کی حقیقت جاننا چاہتی تھی اور اسی حقیقت نے مجھے منہ کے بل گرادیا۔"

"نہیں، تمہیں رونے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میں ابھی اپنے کمرے میں جا کر تھوڑا فریش ہوکر بات کرتا ہوں اس سے۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"میں نہیں جانتا مگر میں اس رشتے کو ایسے ٹوٹنے نہیں دوں گا۔"

"رشتہ ٹوٹ چکا ہے بھائی، میرے لیے اب دنیا میں ساویز آفندی نام کا کوئی شخص زندہ نہیں اب اس شخص سے شادی میرے لیے موت کا دوسرا نام ہے۔"

"تم پاگل ہوگئی ہو پری؟"

"ہاں۔"

"مگر میں تمہیں پاگل نہیں بننے دوں گا میں اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دوں گا اگر اس کی وجہ سے دوبارہ ایک آنسو بھی آیا تمہاری آنکھوں میں۔"

"اب اس کی بھی ضرورت نہیں ہے بھائی، میں نے اس کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا ہے۔"

”مگر میں اسے نہیں چھوڑوں گا تم کمرے میں جاؤ ابھی میں اسے کال کرتا ہوں شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں، وہ بھی اس وقت جب سارے رشتہ داروں میں شادی کے کارڈز بٹ چکے ہیں۔“ وہ برہم تھا پرہیان بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے اپنی نم آنکھوں کو رگڑتی رہی۔

زاویار نے فریش ہونے کے بعد ساویز کا نمبر ملایا تو وہ بند جارہا تھا اس کے گھر کال کرنے پر پتا چلا کہ وہ تو ملک ہی چھوڑ گیا ہے تبھی وہ پتھر ہوگیا تھا۔ بھلا دنیا میں یہ بھی ممکن تھا کہ کوئی شخص اس کی اکلوتی لاڈلی بہن اور صمید حسن جیسے کامیاب آئیڈیل انسان کی پیاری بیٹی کو یوں آسانی سے رد کرکے چلا جائے۔ انہونی سی انہونی تھی۔

اگلے روز صبح ناشتے کی میز پر سارہ بیگم اور صمید صاحب کو بھی اس انہونی کی خبر ہوگئی تھی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ ساکت رہ گئے تھے۔ بھلا ساویز ان کی بیٹی کے ساتھ ایسا کیسے کرسکتا تھا جبکہ ساویز کے باپ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں بزنس کی دنیا میں متعارف کرانے والے خود صمید حسن تھے اور یہ سب انہوں نے صرف اور صرف اپنی بیٹی کی خوشیوں کے لیے کیا تھا جو ساویز کو یونیورسٹی لائف سے ہی پسند کررہی تھی وہ سمجھتے تھے کہ پرہیان کو دنیا کی ہر خوشی دے کر وہ درمکنون کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا کفارہ کرلیں گے مگر ایسا نہیں ہوسکا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے تھے۔

پرہیان تیز بخار میں پھنک رہی تھی اور وہ ناشتہ ادھورا چھوڑ کر فوراً ساویز کے گھر کی طرف نکل آئے تھے۔ بھلا ایک دم سے ایسی کیا بات ہوگئی تھی جو شادی سے محض ایک ہفتہ قبل ساویز نے رشتہ ہی ختم کردیا تھا۔ پورے رستے یہ سوال ان کے ذہن میں گونجتا رہا تھا۔ ایسے میں کب گاڑی ساویز کے گھر کے سامنے رکی انہیں مطلق خبر نہ ہوئی۔ ڈرائیور نے ہی انہیں مطلع کیا تھا۔

”آفندی صاحب کا گھر آگیا ہے صاحب۔“ وہ چونکے اور پھر فوراً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گاڑی سے نکل آئے۔

احمد آفندی صاحب طبیعت کی ناسازی کے باعث پچھلے تین چار روز سے گھر پر ہی آرام کررہے تھے تبھی ان کا استقبال خود آفندی صاحب نے کیا تھا۔ مسز سعدیہ آفندی بھی گھر پر ہی تھیں۔ صمید صاحب ڈرائنگ روم کے بجائے وہیں لاؤنج میں ٹک گئے۔

”آپ لوگ یقیناً حیران ہورہے ہوں گے کہ میں بنا اطلاع کیے یوں صبح ہی صبح کیسے نازل ہوگیا۔ مگر بات ہی کچھ ایسی تھی کہ میں خود کو روک نہیں پایا۔“ انہوں نے تمہید باندھی تبھی مسز آفندی بول اٹھیں۔

”جی نہیں، آپ کا اپنا گھر ہے آپ جب، جس وقت چاہیں یہاں آسکتے ہیں ان شاء اللہ ہمارے گھر کے دروازے آپ کو ہمیشہ کھلے ملیں گے۔“

”میں جانتا ہوں شاید اسی لیے میں نے اپنی لاڈلی بیٹی کا رشتہ اس گھر سے جوڑا تھا مگر ابھی جو بات میں سن کر آیا ہوں میرا دل اسے کسی طور تسلیم نہیں کررہا۔“

”دل تو ہمارا بھی تسلیم نہیں کررہا تھا جب ہم نے ساویز کے منہ سے انکار سنا تھا مگر اس نے جواز ہی اتنا مضبوط پیش کیا ہم چاہتے ہوئے بھی اس کے فیصلے کی مخالفت نہ کرسکے۔“ اس بار پھر مسز آفندی نے جواب دیا تھا۔ صمید صاحب کی حیرانی مزید بڑھ گئی۔

”کیسا جواز؟“

”ہم بیان کرکے آپ کی بے عزتی نہیں کرنا چاہتے مگر چپ رہ کر آپ کی نظروں میں اپنا مقام بھی نہیں گرا سکتے اس لیے میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ سے معذرت کرنا چاہتا تھا۔“

”کیسی بے عزتی، آپ پلیز کھل کر بتائیں کیا معاملہ ہے۔“ احمد صاحب کے لب کھولنے پر وہ مزید بے چین ہوئے تبھی انہوں نے بتایا۔

”اس میں کوئی شک نہیں کہ پرہیان بہت اچھی بچی ہے مگر ہم اس رشتے سے اس لیے بے حد خوش تھے کیونکہ یہ ہمارے بیٹے کی خوشی تھی اس نے زندگی میں پہلی بار کچھ مانگا تھا اسی لیے ہم سوالی بن کر آپ کے گھر آگئے مگر اس وقت ہم قطعی یہ نہیں جانتے تھے کہ پرہیان آپ کی سگی بیٹی نہیں، بلکہ کسی اور کا گناہ ہے، ساویز کو جانے کیسے یہ ساری کہانی پتا چل گئی کہ آپ نے اپنی بیوی اور

سگی بیٹی کے حقوق سے منہ موڑ کر ایک داغ دار عورت کو اپنا نام دیا اور معاشرے میں عزت دلوائی، مگر حقیقتاً وہ عزت کے لائق نہیں تھی۔ اسی لیے ساویز نے اس رشتے سے انکار کردیا ہے معاف کیجیے گا صمید صاحب ہم خود بھی ایسی لڑکی کو اپنے گھر کی زینت نہیں بنا سکتے جس کا وجود ایک سوالیہ نشان ہو۔"

"بس...... اس سے زیادہ میں برداشت نہیں کروں گا۔" احمد آفندی صاحب کی بات درمیان میں ہی کاٹتے ہوئے صمید صاحب بوڑھے شیر کی مانند دھاڑے تھے۔

"میری بیٹی کا وجود گناہ نہیں ہے، نہ ہی کوئی سوالیہ نشان ہے، اس کی ماں ایک پاک باز عورت تھی اور ہے، میری زوجیت میں آنے سے پہلے ان کا نکاح ہو چکا تھا مگر یہ ان کی بدنصیبی تھی کہ وہ اپنی منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی غلطی کا شکار ہو کر بے نام ونشان رہ گئیں۔ ان کے سابق شوہر نے ان کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر نہ صرف ان کی پاکیزگی کو چیلنج کیا بلکہ بعد میں ایک چھوٹی سی بے بنیاد بات کا ایشو بنا کر انہیں خود سے الگ کردیا تبھی مجبوراً مجھے اپنا نام دینا پڑا انہیں مگر یہ بات کسی طور بردرست نہیں کہ میں نے اپنی سگی بیٹی یا اس کی ماں کے ساتھ کوئی زیادتی کی تھی وہ خود مجھے چھوڑ کر گئی تھی۔" وہ بتانا نہیں چاہتے تھے مگر جذبات میں آ کر بتا گئے تھے۔ احمد آفندی صاحب اور مسز آفندی کا منہ دیکھنے والا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"وہی جو سچ ہے مگر اب مجھے کسی قیمت پر آپ لوگوں کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں رکھنا میری بیٹی اتنی بے مول نہیں ہے کہ کوئی بھی اس کے وجود پر انگلیاں اٹھاتا پھرے اور میں چپ چاپ برداشت کرتا رہوں۔" سخت خفگی سے کہتے وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس سے پہلے کہ آفندی صاحب یا ان کی بیگم ان سے کچھ کہہ پاتے وہ واپس پلٹ گئے تھے۔



زاویار گھر پر نہیں تھا۔ سارہ بیگم بھیگی پلکوں کے ساتھ لاؤنج سے اٹھ کر پریہان کے کمرے میں چلی آئیں جو تکیوں کے سہارے بیڈ پر بیٹھی ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر ان کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا تھا۔

"پری۔" تڑپ کر اسے پکارتے ہوئے وہ اس کی طرف بڑھی تھیں۔ پریہان نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

"پری......!" وہ اب قریب آ کر بیٹھی تھیں تبھی پریہان نے آنکھیں کھول دیں۔

"کون پری مما، ساری زندگی آپ مجھے پری پری کہہ کر دھوکہ دیتی رہیں اور میں، میں نے آپ کے لفظوں کے فریب میں آ کر واقعی خود کو ایک پری سمجھنا شروع کردیا ایک ایسی پری جو محبت کے جادو کی چھڑی گھما کر کچھ بھی حاصل کرسکتی ہے مگر حقیقت یہ نہیں تھی حقیقت وہ تھی جو دنیا نے مجھے بتائی نہیں، بلکہ کسی تماچے کی صورت میرے منہ پر ماری اور میں تڑپ کر رہ گئی۔"

"کیسی حقیقت۔" سارہ بیگم کی آنکھیں نم تھیں مگر پریہان نے ان کی آنکھوں میں دیکھنے کی بجائے بےزاری سے منہ پھیر لیا۔

"خدا کا واسطہ ہے مما میرے سامنے ایسی اداکاری مت کیا کریں جیسے آپ کو کسی حقیقت سے آشنائی ہی نہیں، آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں کس حقیقت کی بات کر رہی ہوں، سالوں پہلے آپ نے دو محبت کرنے والے دلوں کے درمیان دراڑ پیدا کی ان کی زندگیوں میں زہر گھولا ایک عورت ہوتے ہوئے بھی اپنے ہی جیسی ایک عورت کا گھر برباد کیا نہ صرف گھر برباد کیا بلکہ اس کے معصوم بچوں کو بھی تقسیم کردیا ایک باپ کی محبت سے محروم ہوا تو دوسرا ماں کی کیوں صرف اپنا گناہ چھپانے کے لیے اپنی ناجائز اولاد کو ایک جائز نام دینے کے لیے۔"

"پریہان۔" اب تک خاموش بیٹھی سارہ بیگم اچانک دھاڑی مگر پریہان نے پروا نہیں کی اس کی آنکھوں سے بہت روانی کے ساتھ آنسو بہہ رہے تھے۔

"دھاڑیں مت کیونکہ آپ کے دھاڑنے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی آپ کا کردار بدل نہیں جائے گا آپ نے وہ کیا ہے مما کہ مجھے آج آپ کو اپنی ماں کہتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے۔ ساری عمر اپنا گناہ چھپا کر جو اپنی ہی سگی اولاد سے جھوٹ بولتی رہی وہ میری ماں ہے، جس کا کردار میرے لیے کسی گالی سے کم نہیں، وہ میری ماں ہے آج جس کے حوالے نے مجھ سے میری پانچ

سالہ محبت کو چھین کر مجھے اندھیروں کے سپرد کردیا ہے وہ میری ماں ہے' نفرت محسوس ہورہی ہے مجھے آج آپ سے، خود اپنے آپ سے بار بار ہاتھ لے کر بھی میں اپنے وجود سے اٹھتی بساند سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پارہی یہ کس عذاب میں ڈال دیا آپ نے مما کہ نہ جی پارہی ہوں نہ مر رہی ہوں۔" وہ بہت اذیت میں تھی۔ سارہ بیگم کی آنکھوں سے کئی آنسو ایک ساتھ ٹوٹ کر گر پڑے۔

"حقیقت وہ نہیں ہے جو تم جانتی ہو۔"

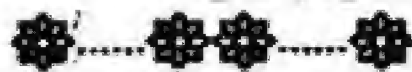
"مما پلیز، بس کریں اب، مت بولیں کوئی اور جھوٹ۔ مجھ سے سارے پردے اٹھ گئے ہیں اب اور کب تک مجھے بچی سمجھ کر بہلاتی رہیں گی آپ، میں جان گئی ہوں کہ کیوں آپ اور پاپا ایک ہی بیڈ روم میں نہیں رہتے، میں سب جان گئی ہوں مما اب آپ کچھ بھی کہیں، جتنی قسمیں بھی کھائیں میں زندگی بھر کبھی آپ کی کسی بات کا اعتبار نہیں کرسکوں گی۔ نفرت محسوس ہورہی ہے مجھے آپ سمیت ان تمام عورتوں سے جو صرف اپنی خوشی اور خواہش پر محض چند لمحوں کی راحت کے لیے ننھے ننھے معصوم پھولوں کو دنیا کے اس بازار میں نمائش بنا کر رکھ دیتی ہیں کبھی ان کا دل یہ سوچ کر نہیں پھٹتا کہ ان کے چند لمحوں کی لغزش ان کے وجود سے جنم لینے والے بچے کے لئے ساری عمر کا عذاب بن جائے گی۔ حالانکہ بچوں کا تو کوئی قصور نہیں ہوتا، وہ تو قدرت کے جائز طریقوں پر ہی دنیا میں آنکھ کھولتے ہیں، مگر پھر بھی ساری عمر کی سنگ باری ان کا مقدر بن جاتی ہے، پاپا تو اعلیٰ ظرف ہیں مگر زاویار بھائی...... کیا میری حقیقت جاننے کے بعد وہ مجھ سے پیار کریں گے۔ کبھی نہیں، جو بھائی آج مجھ پر جان چھڑکتا ہے کل وہی میری اصلیت جاننے کے بعد مجھ پر تھوکے گا۔ کتنی عزت کرتا ہے وہ آپ کی مگر کل جب اسے پتا چلے گا کہ آپ اس کی سگی ماں نہیں ہیں بلکہ ان کی سگی ماں سے ان کا حق چھین کر انہیں زمانے میں دربدر کرنے والی ہیں تب سوچیں وہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ آپ نے کسی کے ساتھ بھی اچھا نہیں کیا مما، کسی کے ساتھ بھی نہیں......!" دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر روتے ہوئے اس نے اپنے اندر کی ساری بھڑاس نکالی تھی جبکہ اس کے مقابل بیٹھی سارہ بیگم کے آنسو جیسے برف ہوگئے تھے۔

اس درجہ بدگمان ہوئی بیٹی کے سامنے بھلا ماضی کی کتاب گرد آلود اوراق پلٹنے کا فائدہ بھی کیا تھا؟ وہ چاہتے ہوئے بھی اس وقت اپنی صفائی پیش کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھیں۔

زاویار جو ابھی کچھ منٹ پہلے ہی گھر واپس لوٹا تھا اور اپنے ساتھ پریہان کے بھی انگلینڈ کے سفر کے کاغذات مکمل کروا کر لایا تھا اس کے کمرے کی دہلیز پر ہی ساکت ہوگیا۔ یہ کیسی حقیقت تھی جس کا انکشاف پریہان صمید کر رہی تھی؟ یہ کیسا سچ تھا جس نے اس کی شخصیت کی بنیادوں کو ہی ہلا کر رکھ دیا تھا۔

اس نے تو آج تک یہی جانا تھا کہ دنیا میں اس کی ایک مہربان ماں اور ایک بہت پیاری سی بہن ہے جو کہ سارہ بیگم اور پریہان کی شکل میں اس کے سامنے تھیں مگر پریہان یہ کیوں کہہ رہی تھی کہ وہ سچ نہیں تھا۔ سچ وہ تھا جسے جاننے کے بعد وہ سارہ بیگم اور پریہان کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہ کرتا ایسا کون سا سچ تھا؟ اگر تھا تو اب تک وہ اس سے بے خبر کیوں تھا؟

صمید حسن کے علاوہ دوسرا کون تھا جو گزرے ہوئے ماضی کے گرد آلود اوراق پلٹ کر اسے اصل حقیقت بتا سکتا تھا؟ کیونکہ وہ جانتا تھا صمید حسن صاحب اسے کبھی وہ سچ نہیں بتائیں گے جو اس کے لیے جاننا اب بے حد ضروری ہوگیا تھا تبھی۔ چٹخ ہوئے اعصاب کے ساتھ وہ پلٹا اور تیز تیز قدم اٹھاتا گھر سے باہر نکل گیا تھا۔



اس روز سنڈے تھا۔ عائلہ نے کچن کے چند ضروری کاموں سے فراغت کے بعد مشین لگائی۔

کرنل صاحب کی طبیعت اب پہلے سے کافی بہتر تھی تبھی سدید اپنے کسی ضروری کام کے سلسلے میں شہر سے باہر چلا گیا تھا۔ اس روز کافی دنوں کے بعد تھوڑی سی دھوپ نکلی تھی اور عائلہ نے اسی دھوپ کا فائدہ اٹھایا مگر وہ ابھی آدھے کپڑے بھی نہیں دھو پائی تھی کہ اچانک پھر آسمان پر گھنے بادلوں کا راج ہوگیا تھا۔ سردی کی شدت میں بھی قدرے اضافہ ہوا تھا۔

تبھی اس کے ہاتھ مزید پھرتی سے چلتے ہوئے کپڑوں کے ساتھ دیگر کام بھی نپٹانے لگے تھے کرنل صاحب اس کی پھرتیاں دیکھ رہے تھے جانے کیوں کبھی کبھی اسے دیکھتے ہوئے انہیں مریم رحمان بہت شدت سے یاد آتی تھی۔ روزمرہ زندگی کے بہت سے معاملات میں عائلہ ہو بہو مریم کی کاپی تھی اس کی شخصیت میں بہت کچھ مریم سے ملتا جلتا تھا اس کی گفتگو کا انداز، اس کی

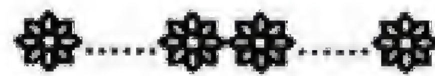
سوچ، اس کے گھریلو کام نپٹانے کے طریقے اس کی چال سب میں مریہ کا عکس تھا۔ انہیں لگتا تھا جیسے عائلہ کی صورت میں وہ اس گھر میں واپس لوٹ آئی ہو، بارش اچانک شروع ہوئی تھی۔
چند روز قبل سدید قیمتی کبوتروں کا جوڑا لایا تھا وہ بھی اس وقت صحن میں رکھے چھوٹے سے پنجرے میں بھیگتے ہوئے پھڑ پھڑا رہے تھے مگر عائلہ کو فی الوقت ان پر توجہ دینے کی فرصت نہیں تھی۔ پور پور بارش میں بھیگی، بنا اپنے حلیے پر توجہ کیے وہ پھرتی سے اپنے کام نپٹانے میں مصروف تھی جب اچانک بیرونی گیٹ پر ہونے والی دستک نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی۔
وہ چونکہ گیٹ کے قریب تھی بھی کرنل صاحب کو اٹھنے کی زحمت دیے بغیر اس نے فوراً آگے بڑھ کر خود ہی گیٹ کھول دیا۔ وہ جانتی تھی اس وقت سوائے سدید کے گیٹ پر اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا مگر اس کا قیاس غلط ثابت ہوا تھا۔
گیٹ پر اس وقت سدید علوی کی بجائے زاویار حسن کھڑا تھا لائٹ گرے ڈریس پینٹ پر بلیک چیک دار شرٹ زیب تن کیے وہ خود بھی محض چند لمحوں میں ہی عائلہ کی طرح بارش میں بھیگ گیا تھا۔ وہ جہاں کی تہاں کھڑی اسے دیکھتی رہی تھی۔ بھلا وہ شخص جس کی گردن میں سریا فٹ تھا وہ اس کے گھر کی دہلیز پر کھڑا کیا کر رہا تھا؟ عائلہ نے دیکھا اس کی آنکھیں صاف دھول اڑاتی محسوس ہورہی تھیں۔
''کرنل صاحب ہیں گھر پر؟'' بنا دعا سلام کے قدرے خشک لہجے میں اس کے حلیے پر توجہ دیے بغیر وہ پوچھ رہا تھا۔ عائلہ نے فوری خود کو سنبھال لیا۔
''جی.......جی ہاں۔''
''مجھے ان سے ضروری کام ہے، کیا ابھی ملاقات ہوسکتی ہے۔''
''شیور۔'' وہ اس مغرور شخص کا اپنے گھر کی دہلیز تک چلے آنا ہی ہضم نہیں کر پارہی تھی کہ کجا کہ اس کا کرنل صاحب سے ضروری کام۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔
تاہم اس نے خود کو گیٹ کے دائیں طرف سے سمیٹتے ہوئے اسے اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔ باہر اس وقت جتنی بھی تیز بارش برس رہی تھی زاویار حسن کے اندر برستی بارش سے زیادہ تیز نہیں ہوسکتی تھی۔



''السلام علیکم۔'' عائلہ کی حیرانی کو قطعی کوئی اہمیت دیے وہ کرنل صاحب کے قریب آیا جو برآمدے میں بیٹھے باہر صحن میں ہونے والی بارش کا جائزہ لے رہے تھے۔ زاویار کے سلام پر انہوں نے قدرے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا جب عائلہ فوراً قریب چلی آئی۔
''یہ زاویار ہے بابا، صمید انکل کے بیٹے، برسوں بیرون ملک میں زندگی گزارنے کے بعد ابھی چند ہی روز پہلے پاکستان آئے ہیں مریہ آنٹی سے یقیناً ان کے بیٹے کا نام تو سنا ہوگا آپ نے۔'' عائلہ کے تفصیلی تعارف پر آہستہ سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے انہوں نے زاویار کا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما تھا۔
''وعلیکم اسلام آؤ بیٹھو، کیسے آنا ہوا؟''
''کچھ ضروری کام تھا آپ سے۔'' کرنل صاحب کے مقابل کین کی کرسی سنبھالتے ہوئے اس نے قدرے خشک لہجے میں کہا۔ کرنل صاحب نے آنکھ کے اشارے سے عائلہ کو وہاں سے رخصتی کا پیغام دے دیا۔
''ہوں کہو۔'' عائلہ کے جانے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔
زاویار کا دماغ اس حد تک الجھا ہوا تھا کہ اسے سمجھ ہی نہیں آرہی تھی کہ وہ جو پوچھنا چاہتا ہے اس کی تمہید کیسے باندھے؟ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بالآخر اس نے لب ہلائے تھے۔
''میں آپ کو اس موسم میں تکلیف دینے کے لیے معذرت چاہتا ہوں مگر حقیقت میں اس وقت میں اتنا پریشان ہوں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آپ کے سوا اور کس کے پاس جاؤں اصل میں، میں نے ہمیشہ اپنے پاپا کے لبوں پر آپ کا ہی ذکر سنا ہے آپ کے احسانوں کی وجہ سے وہ عائلہ کے ساتھ بھی بالکل حقیقی بیٹیوں کا سا برتاؤ کرتے ہیں، میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ ان کی

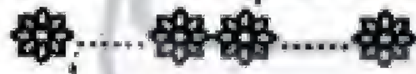
زندگی کے بارے میں کتنا جانتے ہیں۔"
"یہ سوال تو تم اپنے باپ سے بھی کرسکتے تھے برخوردار۔"
"نہیں، ان سے اگر کرسکتا تو اتنے خراب موسم میں یہاں آنے کی خواری کبھی نہ اٹھاتا۔" وہ واقعی پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ کرنل صاحب نے اپنا وجود کرسی پر ڈھیلا چھوڑ دیا۔
"کیا جاننا چاہتے ہو صمید حسن کی زندگی کے بارے میں۔"
"سب کچھ، وہ ابتدا سے کیسے انسان ہیں آپ کے ساتھ ان کا کیا تعلق ہے۔ انہوں نے کتنی شادیاں کیں اور ان کے کتنے بچے ہیں سب؟" وہ بے چین تھا یوں جیسے اسے ہر حقیقت سے۔ بے خبر رکھا گیا ہو۔ تبھی وہ کچھ سوچتے ہوئے بولے۔
"جتنا میں جانتا ہوں صمید شروع سے ایک نیک شریف فرماں بردار اور ایمان دار شخص ہے اس نے زندگی میں کبھی کسی معاملے میں بددیانتی نہیں کی وہ بہت کم عمر تھا جب اس کے ماں باپ کی رحلت کے بعد میں اسے یہاں اپنے گھر لایا تھا اپنا بیٹا بنا کر کیونکہ میرا اپنا سگا بیٹا جائیکا باپ یہاں سے کوسوں دور دیار غیر کی خاک چھان رہا تھا صمید کی نیکی اور شرافت نے مجھے اتنا متاثر کیا کہ میں نے اپنی حقیقی بھتیجی مریرہ رحمان کی شادی اس کے ساتھ کردی اسی کے بطن سے تم نے اور درمکنون نے جنم لیا تھا مگر اس وقت وہ دونوں یہاں نہیں رہتے تھے صمید نے نیا نیا کاروبار شروع کیا تھا اور وہ مریرہ کو تمہاری پیدائش سے پہلے ہی یہاں سے لے کر چلا گیا۔"
"پھر۔" اس کی بے چینی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ کرنل صاحب نے چند لمحوں کے توقف کے بعد دوبارہ بولنا شروع کیا۔
"پھر پتا ہی نہیں چلا کب ان دونوں کے درمیان غلط فہمیوں نے جنم لینا شروع کردیا وہ جو سانس بھی ایک دوسرے کو دیکھ کر لیتے تھے دریا کے دو کناروں کی طرح ایک دوسرے سے الگ ہوگئے میں ان دنوں اپنے بیٹے سکندر کے پاس تھا پاکستان واپسی پر مجھے پتا چلا تھا کہ صمید نے دوسری شادی کرلی اور مریرہ اسے چھوڑ کر جانے دنیا کی بھیڑ میں کہاں گم ہوگئی اور تم بہت چھوٹے تھے ان دنوں وہ تمہیں ساتھ لے کر جانا چاہتی تھی مگر صمید نے تمہیں اس کے ساتھ نہیں جانے دیا وہ تمہاری وجہ سے اسے روکنا چاہتا تھا مگر وہ نہیں رکی، اس نے پلٹ کر کسی رشتے کی طرف نہیں دیکھا نہ میری طرف نہ تمہارے باپ کی طرف۔"
"اس کا مطلب میں مریرہ رحمان کا بیٹا ہوں سارہ صمید حسن کا نہیں۔" اس کی آنکھیں لہورنگ ہورہی تھیں۔ کرنل صاحب نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلادیا۔
"ہوں تمہارے باپ کی دوسری بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔"
"تھینک یو، میں چلتا ہوں اب۔" فوراً ہی اس نے اٹھنے کے لیے پر تولے تھے جب کرنل صاحب بولے۔
"نہیں تم اس گھر میں پہلی بار آئے ہو چائے پیے بغیر میں تمہیں جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔"
"ایم سوری کرنل صاحب میں اس وقت بہت ڈسٹرب ہوں آپ کی چائے ادھار رہی مجھ پر، ابھی میرا جانا بہت ضروری ہے پلیز۔" مصافحے کیلئے ہاتھ بڑھاتا وہ واقعی بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ کرنل صاحب نے زیادہ اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔
زاویار عائلہ کے گھر سے نکلا تو اس کی آنکھوں سے جیسے لہو ٹپک رہا تھا وہ دن اس نے جیسے پورا کیا تھا صرف وہی جانتا تھا اگلے روز کی پہلی فلائٹ کے ساتھ اس نے پاکستان چھوڑ دیا۔ بنا کسی کو بتائے بنا کسی کو مطلع کیے۔ اپنا سیل بھی اس نے آف کردیا تھا۔
صمید صاحب ایک اذیت سے نکلے نہیں تھے کہ دوسری گلے آپڑی تھی۔ بار بار زاویار کے سیل پر کال کرنے کے بعد مایوس ہو کر انہوں نے عائلہ کو کال ملائی تھی جو گھر سے آفس کیلئے نکل چکی تھی۔
"السلام علیکم۔" تیسری بیل پر ان کی کال پک ہوئی تھی۔
"وعلیکم السلام کیسی ہو بیٹا؟"
"میں فائن انکل آپ سنائیں۔"
"میں بھی ٹھیک ہوں اصل میں پچھلے دنوں بہت زیادہ مصروفیت کی وجہ سے مجھے گھر چکر لگانے کی فرصت ہی نہیں مل سکی۔ زاویار ٹھیک ہے نا اب تمہارے ساتھ۔"

''جی انکل اس روز کے بعد دوبارہ انہوں نے مجھے پریشان نہیں کیا ویسے کل وہ خود کافی پریشان دکھائی دے رہے تھے۔''
''کل کب؟''
''کل جب وہ بارش میں پہلی بار ہمارے گھر آئے تھے بابا سے ملنے۔''
''بابا سے ملنے۔''
''جی انکل انہیں بابا سے کوئی بہت ضروری بات کرنی تھی وہ بہت ڈسٹرب لگ رہے تھے۔ واپسی پر میں نے دیکھا ان کی آنکھوں سے جیسے لہو ٹپک رہا تھا۔''
''وہاٹ؟''
''جی انکل جو میں نے محسوس کیا وہ یہی ہے وہ شاید کسی بات پر بہت دل برداشتہ تھے۔''
''کرنل صاحب سے کیا بات ہوئی اس کی؟''
''پتا نہیں، بابا نے مجھے وہاں ٹھہرنے نہیں دیا تھا۔''
''اوکے اس وقت وہ کہاں ہوں گے؟''
''اپنے کسی ریٹائرڈ دوست کی طرف نکلے ہیں سیل بھی گھر پر ہی چھوڑ گئے۔''
''ٹھیک ہے میں شام میں چکر لگاؤں گا۔''
''شیور۔''
''اپنا خیال رکھنا خدا حافظ۔''
''خدا حافظ۔'' زاویار کی طرح عائلہ کو وہ بھی کافی پریشان لگ رہے تھے مگر وہ چاہتے ہوئے بھی ان سے ان کی پریشانی کا سبب نہیں پوچھ سکی تھی۔
زاویار اس روز آفس نہیں آیا تھا عائلہ کو بے حد مایوسی ہوئی جانے کیوں وہ اسے دیکھنا چاہتی تھی شاید صمید انکل کی وجہ سے یا شاید ان کی پریشانی کی وجہ سے۔ کچھ بھی تھا وہ کم از کم صمید حسن کو زندگی میں کبھی بھی پریشان نہیں دیکھنا چاہتی تھی اگر انہوں نے شام میں گھر چکر لگانے کا عندیہ نہ دیا ہوتا تو اب تک وہ ان کے گھر پہنچ چکی تھی۔ صمید حسن کی ذات کے ساتھ اس کی عقیدت کچھ اسی قسم کی تھی۔
اس روز پہلی بار وہ پورے دن آفس میں خود کو زاویار حسن کا انتظار کرنے اور اپنی سیٹ سے اٹھنے تک اس کے بارے میں سوچنے سے باز نہیں رکھ سکی تھی۔



شام ڈھل چکی تھی۔ سدید گھر واپس آیا تو بے حد تھکا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ عائلہ کچن میں تھی اور کرنل صاحب صمید حسن صاحب کے ساتھ باہر لان میں نشست سنبھالے بیٹھے تھے وہ کچھ دیر ان کے پاس رک کر کچن میں چلا آیا تھا۔
''السلام علیکم۔''
''وعلیکم السلام آ گئی گھر کی یاد؟''
''ہوں۔''
''بہت تھکے ہوئے لگ رہے ہو، پیدل چل کر آئے ہو کیا؟''
''ہوں یہی سمجھ لو۔'' دونوں بازو سینے پر باندھتے ہوئے اس نے سلب سے ٹیک لگائی تھی۔ عائلہ نے چائے کپوں میں انڈیلی۔
''چائے پیو گے؟''
''ہوں، مگر پہلے باتھ لوں گا، بہت تھکن محسوس ہو رہی ہے۔''
''ٹھیک ہے تم پہلے باتھ لے لو میں تب تک روٹی ڈال لیتی ہوں پھر مل کر ڈنر کرتے ہیں۔''

"ٹھیک ہے تم کھانا لگاؤ میں آتا ہوں ابھی فریش ہو کر۔" تھکے تھکے سے لہجے میں کہتا وہ انہی قدموں پر واپس پلٹ گیا تھا۔
عائلہ چائے کے ساتھ شامی کباب اور چکن رول لے کر باہر لان میں چلی آئی کرنل صاحب اور صمید حسن نے جونہی اسے آتے دیکھا فوراً چپ سادھ لی وہ سمجھ گئی کہ وہ دونوں اس کے سامنے کوئی بات نہیں کرنا چاہتے تبھی چائے سرو کر کے وہاں بیٹھنے کی بجائے فوراً واپس پلٹ آئی تھی۔ صمید حسن اب کرنل صاحب سے کہہ رہے تھے۔
"آپ جانتے ہیں میں پہلے بھی غلط نہیں تھا پھر بھی وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی اب وہی کہانی اس کا بیٹا دہرا رہا ہے۔"
"اس کا قصور نہیں ہے تم نے ایک بار پھر غلطی کی ہے صمید، اتنے سال اسے حقیقت سے بے خبر رکھ کر یہی غلطی تم نے مریہ کے معاملے میں کی تھی۔"
"میں مجبور تھا انکل، تب بھی مجھے یہی خوف تھا کہ سچ جاننے کے بعد وہ مجھے چھوڑ کر نہ چلی جائے اور اس نے یہی کیا۔ زاویار کے معاملے میں بھی میں اسی خوف کا شکار تھا میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنی حقیقی ماں کے بارے میں جانے اور پھر اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہو، میں مریہ رحمان کی واحد نشانی کو کسی طور خود سے دور ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔"
"غلط سوچ تھی تمہاری تم جانتے ہو سچ کبھی چھپتا نہیں ہے۔"
"جی میں جانتا ہوں اور میں نے سوچ رکھا تھا جیسے ہی پری کی شادی ہو جائے گی میں اسے خود سب سچ بتا دوں گا۔ وہ مجھے تھوڑی مہلت تو دیتا۔"
"اب کیا کیا جاسکتا ہے جو سچ تم نے برسوں اس سے چھپایا وہ اسے پتا لگ گیا کسی بھی ذریعے سے۔ مجھ سے تو وہ صرف تصدیق کے لیے پوچھنے آیا تھا اور میں نے تصدیق کر دی۔"
"کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں، میں زندگی میں ہمیشہ جس چیز کو کھونے سے ڈرتا ہوں وہی چیز مجھ سے کھو جاتی ہے۔ جس نقصان سے بچ کر چلنا چاہتا ہوں وہی نقصان ہو جاتا ہے۔" صمید صاحب کا لہجہ بے حد آزردہ محسوس ہو رہا تھا۔ عائلہ ملول سی کچن میں چلی آئی۔
تو یہ وجہ تھی صمید حسن اور زاویار صمید حسن کے پریشان ہونے کی؟ باہر لان میں کرنل صاحب اب صمید صاحب کو تسلی دے رہے تھے وہ کچن میں کھڑی کتنی ہی دیر تک ان کی آزمائشیں ختم ہونے کی دعا کرتی رہی۔



بارشوں کے موسم میں وہ جو اپنے کمرے کی
کھڑکیوں کو بند کر کے
بادلوں کے جانے کا انتظار کرتے ہیں
وہ بھی اک زمانے میں
بارشوں کی بوندوں سے کھیلتے رہے ہوں گے
چودھویں کی راتوں میں جلد سونے والوں کی
چاندنی سے ماضی میں دوستی رہی ہوگی
حسن و عشق کی باتیں آج واسطے جن کے
کچھ وقعت نہیں رکھتیں
بھولے بسرے لمحوں میں
ٹوٹ کر کسی کو وہ چاہتے رہے ہوں گے
وہ جو اپنے غم پہ بھی آنکھ نم نہیں کرتے
کل کسی کی خاطر وہ خوب رو چکے ہوں گے
دریا آشنا ہو کر اشک کھو چکے ہوں گے۔

"کل زاویار آیا تھا ہمارے گھر۔" سدید شاور لے کر آیا تو عائلہ نے کچن میں ٹیبل پر کھانا سیٹ کرتے ہوئے اسے بتایا کرنل صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی لہٰذا وہ صمید حسن صاحب کے رخصت ہوتے ہی اپنے کمرے میں سونے چلے گئے تھے۔ سدید ایک دم سے چونکا۔

"وہاٹ؟"

"ہوں، بہت پریشان دکھائی دے رہا تھا کہہ رہا تھا بابا سے ضروری کام ہے۔"

"پھر؟"

"پھر کیا بابا گھر پر تھے وہ کافی دیران کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا مجھے بابا نے پاس بیٹھنے نہیں دیا۔"

"اچھا کیا تمہارا پاس بیٹھنا بنتا بھی نہیں تھا۔" کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔ عائلہ خاموشی سے اسے کھانا ڈال کر دیتی رہی۔

"ویسے بابا سے بھلا کیا ضروری کام ہوسکتا ہے اسے؟" پہلا نوالہ توڑتے ہوئے اس نے پوچھا تھا جب وہ بولی۔

"میں جانتی ہوں۔"

"کیا؟"

"کل تک نہیں جانتی تھی مگر آج صمید انکل کی باتوں سے پتا چلا کہ انہوں نے اب تک زاویار سے یہ بات چھپا رکھی تھی کہ وہ مریرہ پھوپو کا بیٹا ہے پتا نہیں کہاں سے اسے اس بات کا پتا لگ گیا، تبھی وہ بابا سے تصدیق کرنے آیا تھا اور بابا نے اسے سب سچ بتا دیا۔ یقین کرو سدید، جب وہ واپس جا رہا تھا اس کی آنکھیں جیسے لہو ٹپکا رہی تھیں۔"

"ہوں، انسان جب اس طرح کے حادثات سے گزرتا ہے تو یونہی ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے اندر۔"

"شاید تم صحیح کہہ رہے ہو، اسی لیے وہ آج آفس بھی نہیں آیا۔"

"تم نے وزٹ کیا تھا؟"

"ہاں۔" قطعی بے خبری میں وہ کہہ گئی تھی۔

سدید نے کھانے سے ہاتھ روک لیا۔

"کیا تمہیں اب اس سے ہمدردی ہو رہی ہے؟"

"نہیں۔" فوراً سے پیشتر وہ سنبھلی تھی سدید خاموش ہو گیا۔

"تم جانتے ہو میرا دل بہت چھوٹا ہے میں کسی کو بھی دکھی نہیں دیکھ سکتی اسپیشلی ماں کے لیے کیونکہ میں جانتی ہوں، بہت چھوٹی سی عمر میں ماں کو کھونے کا درد کیا ہوتا ہے؟"

"مجھ سے بہتر نہیں جان سکتیں تمہیں پتا ہے، جس روز میں اسکول جاتے ہوئے ماموں کے گھر سے بھاگا تھا تب میرے ذہن میں ایک ہی پلان تھا نہر میں کود کر مر جانے کا تاکہ میری مما کو خبر ملتی تو وہ مجھے کھو دینے پر روتیں ان دنوں میرا ایک دوست نہر میں ڈوب کر مر گیا تھا۔ میں نے اس کی ماں کو دیکھا تھا وہ بہت اذیت میں تھیں۔ بہت رو رہی تھیں میں چاہتا تھا میری ماں بھی روئے یونہی روئے اگر اس روز میرا کرنل صاحب کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ نہ ہوتا اور وہ مجھے اپنے ساتھ یہاں گھر نہ لاتے تو جانے میں کب کا کچھ نہ کچھ کر کے مر چکا ہوتا۔"

"جانتی ہوں یہاں آنے کے بعد بھی بابا کے لاکھ سمجھانے کے باوجود تم خودکشی کے مختلف طریقوں پر سوچتے رہتے تھے۔ وہ تو شکر ہے ہماری آپس میں دوستی ہو گئی اور ہم دونوں ہی کسی حد تک اپنا اپنا غم بھول گئے ورنہ پتا نہیں اب تک کیا ہو گیا ہوتا۔"

"ہوں ٹھیک کہا تم نے۔" اس کی بھوک ختم ہو چکی تھی وہ اب چائے پی رہا تھا عائلہ سامنے بیٹھی میز کی سطح گھورتی رہی۔

"میری چھٹی ختم ہو گئی ہے اگلے تین روز کے بعد مجھے جاب پر واپس جانا ہے۔" کچھ ہی لمحوں کے بعد اس نے موضوع بدلا تھا عائلہ نے فوراً اسے دیکھا۔

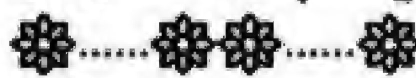
"اتنی جلدی؟"

"ہوں، اوپر سے کال آ گئی ہے بابا چاہتے ہیں کہ جانے سے پہلے میں تمہیں اپنے نام کی رنگ پہنا کر جاؤں۔"
"اور تم کیا چاہتے ہو؟"
"وہی جو تم چاہو گی۔"
"آہم...... پھر میں تو چاہتی ہوں کہ تم نکاح کر کے جاؤ۔"
"رئیلی۔" وہ حیران ہوا تھا عائلہ نے مسکرا کر شرارت سے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"ہوں رئیلی۔"
"پھر میں رخصتی بھی ساتھ کراؤں گا۔" وہ اس کی شرارت سمجھ گیا تھا عائلہ کھل کر ہنس دی۔
"تم سے یہی امید ہے مجھے۔"
"ہونی بھی چاہیے تم جانتی ہو میری زندگی میں تمہاری کیا اہمیت ہے، بہر حال یہ رنگ دیکھو کیسی ہے۔ بہت تھکا ہوں آج اس مشن پر مگر کوئی دل کو چھو ہی نہیں رہی تھی۔" اس کا موڈ تبدیل ہو چکا تھا عائلہ نے سکون کا سانس لیا۔
سدید کے ہاتھ میں گولڈ کی نفیس سی رنگ تھی جس کے درمیان میں دو دل بنے ہوئے تھے اور ان دلوں کے اندر بہت چھوٹے چھوٹے سے دمکتے ہیرے جڑے تھے۔ عائلہ سدید کی پسند پر عش عش کر اٹھی۔
"واؤ، یہ تو بہت خوب صورت ہے۔"
"ہوں مگر تمہارے ہاتھوں سے زیادہ نہیں۔" وہ بہت پر شوق نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ عائلہ کا دل بہت تیزی سے دھڑک اٹھا۔
اس وقت سدید کی آنکھوں میں اس کے لیے اتنے خوب صورت رنگ چھلک رہے تھے کہ وہ ایک سرسری سی نظر سے زیادہ اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی تھی۔
وقت کروٹ لے رہا تھا کردار بدل رہے تھے۔ محبت پھر درد کا چولا پہن کر اس گھر کی دہلیز پر آ بیٹھی تھی کہ جہاں کبھی انہی در و دیوار نے صمید حسن اور مریرہ رحمان کے درمیان خوب صورت جذبات کو پروان چڑھتے دیکھا تھا۔

❀......❀❀❀......❀

شام ڈھل چکی تھی۔ سامنے لگے سکھ چین کے پیڑ پر موجود پرندوں نے سورج کی مدھم ہوتی کرنوں کے ساتھ ہی اپنے اپنے گھونسلوں میں واپسی کا سفر شروع کر دیا تھا۔
مریرہ نماز سے فارغ ہوئی تو لاؤنج میں ٹیبل پر دھرے سیل نے اچانک زور و شور سے بجنا شروع کر دیا اسے پہلا گمان یہی گزرا کہ در مکنون کی کال ہو گی مگر اسکرین پر عمر کالنگ جگمگا رہا تھا وہ جانتی تھی کہ یہ وقت عمر کی بے حد مصروفیت کا تھا اس کے باوجود اگر اس نے کال کی تھی تو یقیناً کوئی بہت ضروری بات تھی۔ تبھی اس نے فوراً سے پیشتر کال پک کی تھی۔
"ہیلو۔"
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام۔"
"کیسی ہو۔"
"ویسی ہی جیسی بیس پچیس سال پہلے تھی۔"
"جانتا ہوں تم کبھی بدل نہیں سکتیں۔"
"تم کیوں چاہتے ہو کہ میں بدل جاؤں۔"
"بس یونہی کبھی کبھی دل میں خواہش اٹھتی ہے کہ تمہیں ہنستا مسکراتا آباد دیکھوں۔"
"یہ خواہش تو سالوں سے میرے اندر بھی تمہارے لیے سر پٹخ رہی ہے۔ مگر تم نے کبھی میری خواہش پر کان نہیں دھرے۔"
"ایسی بات نہیں ہے مریرہ۔"

''پھر کیسی بات ہے، کیا مجھے تمہاری زندگی کے بارے میں سوچنے کا کوئی حق نہیں۔''
''ایسا کیوں کہہ رہی ہو کیا میں نے کبھی ایسا کہا؟''
''نہیں مگر تم نے میری خواہش کو تکمیل بھی نہیں بخشی۔''
''تمہاری اور میری خواہش میں بہت فرق ہے مریہ۔''
''ایسا صرف تم سوچتے ہو مگر نہ حقیقت میں تم بھی جانتے ہو کہ ایسا نہیں ہے۔ بہر حال کیسے یاد کیا اس وقت۔''
''تم جانتی ہو تمہیں یاد کرنے کے لیے وقت کا حساب کتاب نہیں رکھتا۔''
''ہوں جانتی ہوں مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ یہ وقت تمہارے لیے بے حد مصروفیت کا وقت ہوتا ہے غالباً اس وقت تمہارے ہوٹل پر کسٹمرز کا زیادہ رش ہوتا ہے۔''
''کوئی بات نہیں، میں نے تم پر کبھی مصروفیت کو اہمیت نہیں دی۔''
''جانتی ہوں مگر یہ بھی سچ ہے کہ تم نے ہمیشہ بہت ضروری بات کے علاوہ کبھی گپ شپ کے لیے فون نہیں کیا۔''
''ہوں یہ تو ہے، کیا کروں تم سے اور تمہارے غصے سے ڈر جو لگتا ہے۔''
''بس رہنے دو اب بتاؤ پلیز کیا بات ہے؟''
''تم بور ہو رہی ہو؟''
''نہیں۔''
''بور ہو بھی رہی ہو تو مجھے فرق نہیں پڑتا کیونکہ تم بہت اچھی طرح سے جانتی ہو کہ میرا تم پر کتنا حق ہے۔ بہر حال میں جانتا ہوں تم سے سسپنس برداشت نہیں ہوتا پیٹ کی اور صبر کی بہت ہلکی ہو تم۔''
''آج کے لیے اتنی تعریف کافی ہے۔'' عمر کے الفاظ نے اسے چڑایا تھا وہ کھل کر ہنس دیا۔
''او کے اچھا غور سے سنو قمر بھائی کی بیٹی شہرو پاکستان آ رہی ہے اسے حویلی اور گاؤں کے بارے میں جاننے کا بہت شوق ہے ویسے تو بھابی نے اسے ساری کہانی سنا رکھی ہے مگر وہ پھر بھی حویلی جانا چاہتی ہے میں نے اپنے طور پر اسے سمجھانے اور وہاں جانے سے باز رکھنے کے لیے بہت کوشش کی ہے مگر وہ کچھ بھی سمجھنے اور ماننے کو تیار نہیں اسے حویلی کے اندر دفن کردار بہت بے چین رکھتے ہیں۔ تبھی اس کے جنون کو دیکھتے ہوئے میں نے اسے حویلی اور قمر کے کمرے کی چابی دے دی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہاں حویلی سے قریب ہی اس کی کوئی دوست ہادیہ اور اس کی فیملی قیام پزیر ہے۔ وہ وہاں انہی کے گھر رہ لے گی۔ بھابی اسے اس کے لیے اجازت نہیں دے رہی تھیں مگر میری سفارش پر وہ مان گئی ہیں شاید وہ خود بھی شہزاد کے ساتھ ہی پاکستان آئیں تمہیں یہ سب اس لیے بتا رہا ہوں کیونکہ تم خود بھی آج کل پاکستان میں ہو، ان کا بہتر خیال رکھ سکتی ہو۔''
''ہوں تم فکر نہ کرو، وہ جیسے ہی پاکستان پہنچیں گی میں انہیں جوائن کرلوں گی۔''
''شکریہ، گڈ گرل۔''
''گڈ گرل، اب عمر رسیدہ خاتون میں ڈھل چکی ہے جناب۔''
''ڈھل گئی ہوگی مگر میرے تصور کی دنیا میں تم ہمیشہ الھڑ مٹیار ہی رہو گی۔'' وہ سنجیدہ ہوا تھا۔ مریہ نے سرد آہ بھرتے ہوئے چپکے سے کال کاٹ دی۔
پرانے زخموں کو کریدنے اور کرید کرید کر ہوا دینے کا اب کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔



وسیع حویلی کا بڑا کشادہ سا گیٹ کھلا تھا۔ اس نے حسرت زدہ سی ایک نظر سامنے شان سے سر اٹھائے کھڑی پرانی عمارت پر ڈالی اور قدم آگے بڑھا دیے۔
زرد خشک پتوں سے اٹا حویلی کا بڑا سا صحن اپنی بربادی کا ماتم مناتا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ صحن کے بیچوں بیچ کھڑا برگد کا بوڑھا درخت اب جیسے سالوں کی ویرانی سے ہراساں ہو کر ٹوٹنا شروع ہوگیا تھا۔

اس کی آنکھوں سے کئی آنسو ایک ساتھ ٹپک پڑے۔ یہ اس کی بزرگوں کی جاگیر تھی۔ وہ جاگیر...... جس نے اس خاندان کے بہت سے قیمتی افراد کو موت کی گہری نیند سلا دیا تھا۔ کتنی مشکل سے اس نے "عمر عباس" سے اس حویلی میں قیام کی اجازت طلب کی تھی۔ صرف چند روزہ قیام...... اس سے زیادہ شاید وہ حویلی کسی کو راس بھی نہیں آتی تھی۔

سارا صحن خشک پتوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ برگد کے پیڑ کے تنے کے ساتھ ٹیک لگاتی، بنا اپنے شفاف کپڑوں کی پروا کیے وہیں نیچے زمین پر بیٹھ گئی تھی۔ کبھی وہاں اس صحن میں کتنی رونق ہوتی ہوگی۔

پچیس تیس افراد پر مشتمل اس حویلی کے مکین وہاں کتنے خوش باش رہتے ہوں گے۔ کیا کیا نہیں ہوتا ہوگا ان کے درمیان...... شادی بیاہ...... تہوار...... رسم و رواج...... آتے جاتے موسموں کی خوب صورت بہاریں......

کیا انہوں نے کبھی سوچا ہوگا کہ ایک دن یہ آشیانہ یوں بکھر جائے گا۔ پرانی یادگار بن جائے گا۔ شاید نہیں...... انہیں تو اس کا گماں بھی نہیں ہوگا۔

عمر عباس ان سے بڑے خضر عباس...... پھر اس کے بابا قمر عباس...... کتنے مضبوط ستون ہوں گے وہ اس حویلی کے مگر وقت کی آندھی نے بہت بے دردی سے ان مضبوط ستونوں کو اکھاڑ پھینکا تھا۔ ایسا طوفان آیا تھا اس حویلی کے مکینوں کی زندگی میں کہ سب کچھ بکھر کر رہ گیا تھا کچھ بھی سلامت نہیں بچا تھا۔

اظہار عباس صاحب اور زلیخاں بی بی کے کردار محبت سے گندھے تھے۔

تقسیم ہند سے پہلے زلیخاں بی بی جو اپنے والد کی اکلوتی اولاد اور صاحب جائیداد تھیں اظہار صاحب کی پسند پر حویلی کی چھوٹی بہو بن کر وہاں آ گئی تھیں۔ اس وقت حویلی میں اظہار صاحب کے بڑے بھائی وقار عباس اور چھوٹی بہن زبیدہ بی بی بھی قیام پذیر تھے وقار عباس کو خدا نے بیٹی جیسی رحمت سے محروم رکھا تھا وہ صرف چار بیٹوں کے باپ تھے اور بیٹی کے لیے زلیخاں بی بی کے ساتھ شادی کے خواب دیکھ رہے تھے مگر زلیخاں بی بی کے والد نے وقار عباس کی بجائے اظہار عباس کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا تھا جس کا وقار عباس کو بے حد ملال تھا۔ انہوں نے اس بات کو انا کا مسئلہ بنا کر زلیخاں بی بی کے والد کے ساتھ ساتھ اپنے چھوٹے بھائی اظہار کے لیے بھی دل میں کینہ اور بغض پالنا شروع کر دیا۔

اظہار صاحب کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹوں خضر عباس، نظر عباس، عمر عباس اور قمر عباس کے ساتھ ساتھ ایک عدد بیٹی شگفتہ سے بھی نوازا تھا۔ خضر عباس اور نظر عباس کی شادی خاندان میں ہی ہوئی تھی دونوں کے ایک ایک بیٹا اور ایک ایک بیٹی تھی۔

عمر مریرہ رحمان میں انٹرسٹڈ تھا مریرہ کی شادی سے پہلے ہی وہ اپنی تعلیم کے سلسلے میں ملک سے باہر چلا گیا تھا اور پھر مریرہ کی شادی کے بعد ہی اس کی گاؤں واپسی ہوئی تھی۔ خضر عباس اور نظر عباس دونوں اظہار صاحب کے ساتھ کھیتی باڑی میں دلچسپی رکھتے تھے دونوں بے حد سادہ اور مزاج کے شریف تھے۔

عمر تھوڑا جذباتی اور غصے والا تھا جبکہ قمر بے حد شوخ اور اپنے سارے رشتوں سے ٹوٹ کر محبت کرنے والا انسان تھا۔ اس کی نسبت بچپن سے ہی اس کی اکلوتی پھوپو زبیدہ کی بیٹی نورین کے ساتھ طے تھی۔ نورین، زبیدہ بی بی کی اکلوتی بیٹی تھی اور اس کا مزاج بے حد گرم اور غصیلا تھا تاہم وہ بچپن سے ہی قمر پر فدا تھی اسی لیے زبیدہ بی بی نے خود اپنے بھائی کے سامنے جھولی پھیلا کر قمر کو ان سے مانگ لیا۔ قمر کی منگنی کے بعد اظہار صاحب نے عمر کی بات بھی طے کر دی۔

وہ ابھی پڑھ رہا تھا جب انہوں نے بغیر اس سے اس کی مرضی پوچھے اس کی بات خضر عباس کی چھوٹی سالی شاہدہ عرف شادو کے ساتھ طے کر دی نورین کی طرح وہ بھی عمر پر جان دیتی تھی اور عمر اس کی اس دیوانگی پر چڑتا تھا۔

شگفتہ کی شادی اظہار صاحب نے وقار عباس کے سب سے چھوٹے بیٹے ریاض کے ساتھ طے کر دی تھی ریاض شگفتہ کی بجائے نورین پر عاشق تھا جو اس کی اکلوتی پھوپو کی اکلوتی بیٹی اور کئی مربعوں کی اکیلی وارث تھی۔ مگر زبیدہ بی بی نے اسے اپنی اکلوتی بیٹی کے لیے پسند نہیں کیا اور اسے اسی بات کا رنج تھا یہی وجہ تھی کہ قمر کی منگنی کے بعد وقار صاحب نے اپنی زمینیں اظہار صاحب کے حصے کی زمینوں سے الگ کر لی تھیں۔

جن دنوں اظہار صاحب کے والد بیمار تھے وقار صاحب کی بیوی نے ان کی بہت خدمت کی تھی تبھی وہ ان سے بہت خوش تھے

مگر اپنی جائیداد کی تقسیم میں انہوں نے اپنی کسی اولاد کے ساتھ زیادتی نہیں کی تھی۔
یہ الگ بات تھی کہ ان کی زندگی میں حویلی کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ وقار صاحب چاہتے تھے کہ چونکہ ان کی بیوی نے ان کے والد کے آخری دنوں میں ان کی بہت خدمت کی تھی اسی لیے اس حویلی پر صرف ان کا حق تھا مگر اظہار صاحب کی رائے تھی کہ اگر ان کے والد نے اپنی زندگی میں اس حویلی کا فیصلہ صرف وقار صاحب کے حق میں نہیں کیا تو وہ قانونی طور پر اپنے والد کی اس جاگیر میں برابر کے حصے دار ہیں۔ زبیدہ بی بی بھی انہیں کے موقف کی حامی تھیں یوں ان دونوں بھائیوں کے درمیان ایک اور دیوار کھڑی ہوگئی۔
اسی نفرت اور حسد میں وقار صاحب ہمیشہ اپنے بھائی کو نیچا دکھانے کی کوششوں میں مصروف رہتے تھے کئی بار جب ان کی فصل اچھی نہیں ہوتی تھی تو وہ اپنے بیٹوں کو کہہ کر اظہار صاحب کی تیار کھڑی فصل میں آگ لگوا دیتے اور اگلی صبح ہمدرد بن کر افسوس کرنے چلے جاتے۔ اظہار صاحب کے بیٹوں کو اپنے تایا کی ساری مکروہ حرکتوں کا علم تھا مگر وہ صرف جھگڑے سے بچنے کیلئے خاموش رہتے تھے۔ وقار صاحب کے چاروں بیٹے جتنے غصیلے اور جھگڑالو تھے اظہار صاحب کے چاروں بیٹے اتنے ہی شریف اور صلح جو تھے۔
زمینوں کی تقسیم کے بعد وقار صاحب نے رہائش بھی نئی حویلی میں رکھ لی تھی۔ مگر اپنے بھائی کی بربادی اور انہیں دھول چٹانے کی خواہش بھی ان کے دل سے ختم نہیں ہوسکی تھی اور بالآخر ان کی اس خواہش نے سب کچھ راکھ کر دیا تھا۔
پرانی حویلی اجڑ گئی تھی۔ وہاں حویلی کے مکین ماضی کا حصہ بن گئے تھے۔
شہرزاد کی آنکھوں سے خاموش آنسو نکلے تو پھر بہتے چلے گئے تبھی ہادیہ (جو اس کی عزیز از جان دوست تھی) نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تھی۔
"بس کرو شہرو گزرے ہوئے لمحوں پر رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"
"جانتی ہوں مگر یہ میرے بس میں نہیں ہے۔" بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے آنسو رگڑتے ہوئے وہ کھڑی ہوگئی۔
"یہ پیڑ دیکھو ہادیہ یہ دادی نے خود اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا بہت پیار تھا دادی کو اس پیڑ سے...... ان کا کہنا اور ماننا تھا کہ یہ درخت اور اس پر بیٹھنے والے پرندے اس گھر میں خیر و برکت کا باعث ہیں وہ اپنا زیادہ تر وقت اسی پیڑ کے نیچے قرآن پاک پڑھنے یا حویلی کے صحن میں پھدکتے پرندوں کو روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈالنے میں صرف کیا کرتی تھیں۔ گاؤں کی خواتین بھی یہیں اسی پیڑ کے نیچے ان کے پاس بیٹھ کر اپنے اپنے دکھ اور مسائل ان کے ساتھ شیئر کیا کرتی تھیں۔" شہرزاد کی بھیگی آنکھوں کے آنسو کسی جگنو کی مانند ہی دکھائی دے رہے تھے۔ ہادیہ نے آگے بڑھ کر کافی سارے خشک پتے مٹھی میں سمیٹ لیے۔
"شام سر پر آرہی ہے شہرو، بہتر ہوگا اگر ہم مغرب سے پہلے پہلے حویلی کی صفائی کرلیں تمام کمرے تو لاکڈ ہیں۔ صرف قمر انکل کے کمرے کا دروازہ ان لاک ہے وہ بھی شاید عمر انکل کے استعمال میں رہا ہوگا بہرحال جب تک آنٹی نانو کے پاس بیٹھی ہیں ہم جلدی جلدی سارے پتے اور گرد سمیٹ لیتے ہیں۔"
"ہوں۔" ہادیہ کی ہدایت پر شہرزاد فوراً آنسو خشک کرتی آگے بڑھ گئی تھی۔
یہ مٹی کی محبت ہی تھی جو ایک مدت کے بعد اسے دیار غیر سے کھینچ کر اس حویلی میں گھسیٹ لائی تھی۔ کون جانتا تھا کہ آزاد فضاؤں میں پرورش پانے والی وہ لڑکی یوں سالوں بعد اپنی ماں کے ساتھ انہی فضاؤں میں بسنے کے لیے آجائے گی۔
(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)